خیبر پختونخوا سے شائع ہونیوالا بچوں کا واحد اور مقبول ترین رسالہ
ماہنامہ
اقبال
ڈائجسٹ پشاور
شاہین
جولائی 2021ء
عید الاضحیٰ سعید

”بلی آج سکول گئی“

نگار شاہ نواز

چوکیدار نے روکا اس کو
پرنسپل نے ٹوکا اس کو
پھر بھی اک کھڑکی کے رستے
اک کمرے میں کود گئی
بلی آج سکول گئی

سارے بچے ڈر کر بھاگے
آدھے پیچھے آدھے آگے
ان کی مس بھی ڈر کے مارے
سبق پڑھانا بھول گئی
بلی آج سکول گئی

کچھ بچوں نے چھیڑا اس کو
خواہ مخواہ کھدیڑا اس کو
غرائی اور پھر چیخی چلائی
خوف کے مارے بھول گئی
بلی آج سکول گئی

دوڑی بھاگی چھت پر آئی
چھت سے اک چھلانگ لگائی
بجلی کے اک تار کے اوپر
مانو بلی جھول گئی
بلی آج سکول گئی

علم و ہنر کا شوق تھا اس کو
یا پڑھنے کا شوق تھا اس کو
کس سے پوچھیں ، کون بتائے
بلی کیوں سکول گئی
بلی آج سکول گئی

”برسات کی رم جھم“

انصار احمد معروفی

ہوگئی برسات کی رم جھم شروع
قدرتی سوغات کی رم جھم شروع
ہوگئیں تھیں حد سے زیادہ گرمیاں
بڑھ گئیں تھیں اس لیے بے چینیاں
سانس لینے میں ہوئیں دشواریاں
رب نے ٹھنڈی بھیج دیں پروائیاں
اب تو دن اور رات کی رم جھم شروع
قدرتی سوغات کی رم جھم شروع
جب ہوا برسات کی ٹھنڈی چلی
کھل گئی دل کے چمن کی ہر کلی
شہر اور دیہات کی ہر اک گلی
مچ گئی ہے بادلوں میں کھلبلی
رحمت و برکات کی رم جھم شروع
قدرتی سوغات کی رم جھم شروع
بچے اب گھر میں نہیں رک پائیں گے
ڈھونڈنے سے بھی نہ اب ہاتھ آئیں گے
یہ نہ پوچھو وہ کہاں اب جائیں گے
آم کھائیں گے یا جامن کھائیں گے؟
بوند کے نغمات کی رم جھم شروع
قدرتی سوغات کی رم جھم شروع

(شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے)

ماہنامہ

اقبال ڈائجسٹ پشاور

"شاہین"

رکن اسلامک سوسائٹی آف چلڈرن ہابیز

جلد نمبر 31 شمارہ نمبر 6

فہرست مضامین

"آپس کی بات"

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

کیسے ہو پیارے بچو، من کے سچو!

اقبال کے شاہینو! آپ کو ہر ماہ ڈائجسٹ کا بے صبری سے انتظار رہتا ہے نا؟ یقیناً تم سب اس پر مبارکباد کے مستحق ہو، کیونکہ تم سب ان بہت سے بچوں سے بہتر ہو جو اپنا قیمتی وقت ویڈیو گیم، سوشل میڈیا، اور دیگر بے فائدہ کاموں میں ضائع کرتے ہیں مگر تم تو ماشاءاللہ نیکی کے سپاہی ہو۔ اقبال کے شاہین ہو۔

پیارے بچو! گرمی اپنی بھرپور جوبن پر ہے، سخت گرمی میں ہیضہ اور ہیٹ اسٹروک کا خطرہ زیادہ ہوتا ہے، اس لئے گرمی سے بچیں، بار بار نہایا کریں، ٹھنڈے مشروبات کا استعمال کریں، اور نرم و آرام دہ لباس پہنا کریں۔ گھر سے غیر ضروری طور پر باہر مت جایا کریں۔ اور ہاں اسی مہینے تو بڑی عید بھی آ رہی ہے نا، سوا سے بھرپور طریقے سے منائیں مگر گوشت کے گرما گرم پکوانوں کو احتیاط سے کھائیں تا کہ بیماریوں سے بچے رہیں۔

یاد رکھیں! 30 جولائی دوستی کے دن کے طور پر منایا جاتا ہے اس موقع پر یہ عزم کریں کہ خود بھی نیک بنیں گے اور زندگی میں نیک دوستوں کا انتخاب کریں گے، کیونکہ انسان کی پہنچان اس کے دوستوں سے ہوتی ہے۔

اب لیجئے، اپنا شاہین پڑھیئے اور ہمارے ساتھ رابطے میں رہیئے۔

رشید احمد شینواری

مدیر شاہین اقبال ڈائجسٹ

رابطہ کیجئے

دفتر شاہین، تیسری منزل، قذافی بلڈنگ، چوک یادگار پشاور

اوقات کار
صبح 9 بجے سے شام 5 بجے تک

0332-9760979
0308-2157589
digest_shaheen@yahoo.com
@ShaheenDigestOfficial

قیمت: 40 روپے
سالانہ رجسٹریشن
عام ڈاک: 600 روپے
رجسٹرڈ ڈاک 800 روپے

Design By : Faraz Hussain

حافظ محمد احمد

۱۰ ہجری ۹ ذالحجہ کا دن تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوپہر کو خطبہ حجۃ الوداع فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار سے زائد صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کا مجمع موجود تھا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ حجۃ الوداع فرما رہے تھے تو آپ کے سب سے قریب آزاد آدمیوں کی بجائے دو ایسے غلام موجود تھے جو غلامی سے پیغمبر علیہ السلام کی بدولت رہائی حاصل کر چکے تھے ان میں سے ایک حضرت بلال بن رباح حبشی النسل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی مہار تھامے ہوئے اور دوسرے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالی عنہ آپ کے وجود مسعود پر چادر تان کر سایہ کیے ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبے کی ابتدا میں اللہ تعالی کے ساتھ اپنا تعلق مضبوط کرنے اور اس کی کامل اطاعت کا حکم دیا فرمایا میں تمہیں اللہ تعالی سے تقوی اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں اور اللہ تعالی کی فرمانبرداری کی تاکید کر رہا ہوں اور میں خیر سے شروع کر رہا ہوں یہ وہ چند کلمات تھے جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے خطبہ حجۃ الوداع میں کہا گویا بندے کا جس قدر حق تعالی سے معاملہ درست ہوتا ہے اس قدر بندے کے معاملات درست ہوتے ہیں

''شاید آئندہ ملاقات نا ہو سکے''

''اے لوگو! اللہ کی قسم' مجھے نہیں معلوم شاید آج کے دن کے بعد میں تمہیں اس جگہ نہ مل سکوں؛ بس اللہ اس پر رحم کرے جو آج کے دن میری بات سنے پھر اسے محفوظ رکھے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکرر فرمایا میری باتوں کو پورے دھیان سے سنو؛ سمجھو یاد کرو یاد رکھو کہ میں تمہیں وصیتیں و نصیحتیں کر رہا ہوں۔

''جان ومال کا تحفظ''

''بلاشبہ تمہارے خون اور تمہارے مال اور تمہاری عزتیں باہمی طور پر ایسی ہی محترم ومقدس ہے جیسے یہ یوم حج؛ ماہ حج اور بلد حرام مکہ مکرمہ مقدس و محترم ہیں'' ایک مسلمان کی جان اور اس کے مال کا احترام واکرام مکہ مکرمہ؛ کا کعبۃ اللہ؛ یوم الحج؛ عشرہ ذالحج اور ماہ حج سے کسی درجہ کم نہیں۔

''ادائیگی امانت کی تاکید''

''جس شخص کے پاس کسی کی امانت ہوں وہ صاحب امانت کے سپرد کردے''۔

''جاہلانہ رسموں اور دشمنیوں کا خاتمہ''

''سن لو! جاہلیت کے معاملہ کی ہر چیز میرے پاؤں کے نیچے روند دی گئی ہے؛ جاہلیت کے تمام خون بھی ختم کر دیے گئے ہیں سب سے پہلے میں اپنے خونوں سے ربیعہ بن الحارث رضی اللہ تعالی عنہ کے بیٹے کا خون ختم کر رہا ہوں جو بنی سعید میں شیر خوار بچہ تھا اور اسے قبیلہ ہزیل نے قتل کر دیا تھا''۔

''حقوق نسواں''

''ہاں عورتوں سے متعلق اللہ سے ڈرو کیونکہ تم نے انہیں اللہ تعالی کی امانت کے ساتھ حاصل کیا ہے اور تم نے انہیں اللہ تعالی کے حکم کے ساتھ حلال کیا ہے۔

اور تمہارے ذمہ لازم ہے کہ ان کے رزق و روزی اور لباس، پوشاک کا انتظام کرو' اور مجھ سے عورتوں کے متعلق خیر کی وصیت قبول کرو'۔ عورتیں تمہارے ہاں تمہاری مددگار ہیں۔

عورتوں کے ساتھ حسن معاملہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی خیر کی وصیت قرار دے کر اسے قبول کرنے کا حکم ارشاد فرمایا: اور ساتھ ہی ان کا مقام ومرتبہ بتلایا کہ یہ تمہاری مددگار ہیں تمہارے گھروں کی تدبیر کرنے والی ہیں ان کے بغیر تمہارے خاندان اور گھرانے سبھی نامکمل ہیں وہ تمہارے بغیر ذمہ داریاں کیسے سرانجام دے سکتی ہیں آخر میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی وصیتوں کے برعکس اس وصیت سے متعلق مزید تاکید پیدا کرنے کے لیے فرمایا: لوگو میری بات سمجھو میں پیغام پہنچا کر اپنے فریضہ سے سبکدوش ہو رہا ہوں۔

''شیطان کو خوش کرنے سے اجتناب کرو''

''شیطان اس سے تو مایوس ہو چکا کہ اب تمہاری سرزمین پر اس کی پوجا کی جائے لیکن عنقریب اس کی اطاعت کی جائے گی، تمہارے ان کاموں کی صورت میں جنہیں تم حقیر سمجھتے ہو، تو وہ اسی پر خوش ہو جائے گا ''، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محنت توحید کی برکت سے جزیرہ عرب میں ہمیشہ کے لیے شرک کا خاتمہ ہو چکا ، آئندہ اس خطہ میں شرک کا شیوع نہ ہو گا اس لئے شیطان کو بت پرستی سے تو مایوسی ہو چلی وہ تمہارے چھوٹے چھوٹے گناہوں پہ ہی خوش ہوتا ہے لہٰذا شیطان کو خوش نہ کرو۔

''ختم نبوت کا اعلان''

''اے لوگو! میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں، سنو! اپنے رب کی عبادت کرو، نماز پنجگانہ ادا کرو ، رمضان کے مہینے کے روزے رکھو، اپنے پاکیزہ اموال کی زکوۃ ادا کرو اور اپنے فقہاء وحکمرانوں کی اطاعت کرو، اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ۔

''قرآن وسنت کو تھامے رکھو ''

''اور میں تم میں ایسی دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں جب تک انہیں مضبوطی سے تھامے رہو گے کبھی گمراہ نہ ہو گے، وہ دو چیزیں اللہ تعالی کی کتاب اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے''

''اسلامی اخوت اور اس کا تقاضا''

''اے لوگو! میری بات سنو اور اسے سمجھو، مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اور تمام مسلمان باہم بھائی ، بھائی ہیں سنو! کسی آدمی کے لیے اس کے بھائی کا مال صرف اس قدر حلال ہے جتنا وہ خوش دلی سے عطاء کر دے سنو ! ایک دوسرے پہ ظلم نہ کرو اے اللہ میں نے یہ پیغام پہنچا دیا''

''میرے متعلق تم سے دریافت کیا جائے گا''

اور تم سے میرے متعلق سوال کیا جائے گا، تو تم کیا کہو گے ؟ سبھی گویا ہوئے ہم گواہی دیں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہنچا دیا، امانت ادا فرمادی اور خیرخواہی فرمادی ،تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شہادت کی انگلی کو آسمان کی جانب بلند کرتے ہوئے لوگوں کی جانب حرکت دی اور تین مرتبہ فرمایا: اے اللہ! تو گواہ رہنا!

دوسری قسط

عمراورعلی جب تک بائیک پر بیٹھ کر پارکنگ سے باہر آتے ،ان کا مطلوبہ شخص کہیں کا کہیں پہنچ چکا تھا۔

وہ بھی اللہ کا نام لے سڑک پر آ گئے۔تیز رفتاری سے بائیک دوڑانا شروع کردی۔اُن کی عمرابھی اتنی نہیں تھی کہ قانونی طور پر وہ سڑکوں پر یوں بائیک دوڑاتے پھرتے ،مگراپنے ابا جان کی مدد سے کچھ کیسز حل کرنے کے بعد محکمہ ٹریفک کی طرف سے انہیں خصوصی اجازت نامہ دیا گیا تھا ۔کم عمری میں ہی اُن کے ٹریفک لائسنس بنوادیے گئے تھے،جس کی وجہ سے وہ آزادی سے سڑک پر بائیک بھی چلا سکتے تھے ۔ وقت پڑنے پر گاڑی بھی ڈرائیو کر سکتے تھے ۔تاہم سڑک پر وہ عام طور پر نہایت مناسب رفتار سے گاڑی چلاتے تھے۔ٹریفک قوانین کا اور خاص طور پر اشاروں کا خیال رکھتے تھے،مگراس وقت وہ ایک ایمرجنسی صورت حال میں تھے،اسی لیے تیز رفتاری سے بائیک دوڑا رہے تھے۔

کچھ دور جانے کے بعد انہیں اپنا مطلوبہ بائیک سوار دکھائی دے گیا۔وہ آندھی اور طوفان کی رفتار سے بائک چلا رہا تھا،صاف معلوم ہو رہا تھا کہ اسے کہیں پہنچنے کی جلدی ہے۔عمراور علی کے دل دھک دھک کر رہے تھے۔وہ جانتے تھے کہ وہ کسی انسان کو قتل کرنے جا رہا ہے۔وہ اپنی سی کوشش کر کے اس واردات کو روکنے کی کوشش کر رہے تھے۔آگے جانے والے کا رخ حسن اسکوائر کی طرف تھا۔حسن اسکوائر کے پل سے پہلے ایک روڈ بائیں جانب اسٹیڈیم کی طرف مڑتا تھا،مگر وہ رکا نہیں بلکہ سوک سینٹر کے پل سے نیچے کی طرف تیزی سے آگے نکلتا چلا گیا۔

اب یہاں سے قائداعظم کے مزار تک کوئی سگنل نہیں تھا،فری کوریڈور تھا اور وہ بغیر رُکے سیدھا جا رہا تھا۔آگے جا کر ایک بار پھر طارق روڈ کی طرف بائیں جانب کو روڈ مڑ رہا تھا،مگر وہ یہاں بھی مڑے اور رُکے بغیر چلتا چلا گیا ۔اب سڑک پر ٹریفک بہت ہو گیا تھا۔

عمراورعلی کو رفتار تیز کرنے میں کچھ تامل ہو رہا تھا،مگر معاملہ ایک انسانی زندگی کا تھا۔ان سے آگے جانے والا کسی کو مارنے جا رہا تھا،اور وہ کوشش کر کے اس واردات کو ہونے سے روک سکتے تھے۔اس لیے اپنی بائیک کی رفتار کو تیز رکھتے ہوئے جلد سے جلد اس کے قریب ہونے کی کوشش کر رہے تھے،مگر وہ بھی بلا کا تیز رفتار تھا،ان کو نظر تو آ رہا تھا،مگر اب ان کا درمیانی فاصلہ کم نہیں ہو رہا تھا۔

کچھ دیر بعد ایک سگنل سامنے آ گیا،آگے جانے والے کی بائیک سگنل تک پہنچ گئی تھی،عین اسی وقت سگنل بند ہو گیا،مگر وہ کسی ہچکچاہٹ کے بغیر سگنل توڑ کر نکلتا چلا گیا۔جب تک عمراور علی کی بائیک وہاں پہنچتی ،تب تک دوسری طرف کا ٹریفک سڑک پر آ گیا تھا۔وہ چاہتے بھی تو سگنل توڑنے کی پوزیشن میں نہیں تھے ،مگر وہ کسی بھی صورت میں سگنل نہیں توڑ سکتے تھے۔

جب تک سگنل کھلا،تب تک آگے جانے والا ایک بار پھر ان کی نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔وہ

وہ اپنی بائیک لے کر آگے بڑھے۔ اپنے مطلوبہ شخص کو تلاش کرنے لگے، مگر نہ وہ دکھائی دیا نہ اس کی بائیک نظر آئی۔ وہ سٹی کورٹ کے سامنے سے گزر کر اس کے برابر والی گلی میں داخل ہوگئے۔ اس سڑک پر لائن سے دور تک بائیکیں کھڑی دکھائی دے رہی تھیں۔

دن میں یہ سڑک بہت مصروف رہتی تھی، مگر اس وقت رش کم تھا۔ شام ہونے والی تھی، یہاں کی گلیوں میں موجود اناج کے گوداموں اور ہول سیل کی مارکیٹ بند ہو چکی تھی۔ لوگ آ جا رہے تھے۔ انہوں نے اپنی بائیک وہیں روک لی۔ علی نے وہاں کھڑی بائیکوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

''ہوسکتا ہے اس نے اپنی بائیک ان بائیکوں کے درمیان کھڑی کردی ہو...''

عمر نے ایک نظر دور تک کھڑی بائیکوں پہ ڈالتے ہوئے کہا:

''ہونے کو تو کچھ بھی ہوسکتا ہے... نہ ہونے کو کچھ بھی نہیں ہوسکتا...''

''یہ کیا بات ہوئی...''

''میں ایسی ہی باتیں کرتا ہوں...''

''صاف صاف کہو نا فضول باتیں کرتے ہو...''

''فضول انسانوں کو میری باتیں فضول ہی لگتی ہیں...''

علی نے بھنا کر کہا۔

''تم مجھے فضول انسان کہہ رہے ہو...؟''

''میں نے تو نہیں کہا...''

''تم نے ابھی کہا نا کہ فضول انسانوں کو تمہاری باتیں فضول لگتی ہیں... مجھے تمہاری باتیں فضول لگ رہی ہیں ...اس کا مطلب ہے میں فضول انسان ہوگیا...''

عمر نے مسکرا کر کہا:

''کس قدر ذہین ہو تم... ایسا درست تجزیہ تم ہی کر سکتے تھے... مجھے فخر ہے تم پہ... تم نے از خود، اپنے آپ کو فضول انسان مان لیا...''

علی نے بھنا کر کہا:

''میں نے نہیں مانا...''

''ابھی تو تجزیہ کیا ہے تم نے... خود کہا ہے...؟''

''کیا کہا ہے...''

''تمہارا آخری جملہ یہی تھا... اس کا مطلب ہے میں فضول انسان ہوگیا...''

علی نے منھ بنا کر کہا:

''وہ تو میں نے تمہاری بات سے مطلب نکالا ہے ...تمہارے جملے سے نتیجہ اخذ کیا ہے...''

عمر نے اس کے کاندھے پہ تھپکی دیتے ہوئے کہا:

''تجزیہ کرنے کی تمہاری اس صلاحیت پر مجھے فخر ہے علی ...تم بہت ترقی کرو گے...''

علی نے تلملا کر کہا:

''اچھا اب فضول باتیں مت کرو... ان بائیکوں میں اس کی بائیک تلاش کرتے ہیں... شاید وہ اپنی بائیک یہیں کھڑی کر کے قریب میں کہیں گیا ہے...؟''

عمر نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا:

''یہاں وہ بائیک موجود نہیں ہے...''

''تمہیں کیسے پتا چلا...''

''جب تم میرے اقوال زریں کی روشنی میں خود کو فضول انسان ثابت کر رہے تھے، تب میں طائرانہ نظر ان بائیکوں پہ ڈال رہا تھا... یہاں وہ بائیک موجود نہیں ہے ...میں نے سب بائیکوں کو دیکھ لیا ہے...''

علی ایک طویل سانس لے کر رہ گیا، مگر جھلائے ہوئے انداز میں بولا:

''اس کا مطلب ہے... ہم نے اس کو کھو دیا...؟''

عمر نے اثبات میں سر ہلایا۔

''ہاں ...وہ ہماری دَست رَس سے باہر نکل گیا... افسوس ہم اس کی گرد کو بھی نہ پہنچ سکے...''

''جانے وہ کس کو قتل کرنے جا رہا تھا... کاش ہم اس کو بچا سکتے...''

عمر نے تاسف سے سر ہلاتے ہوئے کہا:

''زندگی اور موت خدا کے ہاتھ ہمیں ہے ...ہم چاہیں بھی تو کسی کو اس کے وقت پہ آنے والی موت سے بچا نہیں سکتے...''

''اب کیا کریں فلسفی صاحب...؟''

''واپس چلتے ہیں...''

علی کچھ دل گرفتگی محسوس کرنے لگا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ ایک جرم ہونے والا ہے، وہ اس جرم کو بچانے کی کوشش میں یہاں تک آگئے تھے، مگر متوقع قاتل کو کھو چکے تھے۔ انہوں نے اپنی بائیک گھمائی تو اچانک علی نے چلا کر کہا:

''ایک منٹ ایک منٹ ...رُکو عمر...''

عمر نے فوراً بائیک کو بریک لگا دیے۔

''کیا ہوا... کیوں چلا رہے ہو... تمہارا دوپٹہ آ گیا کیا بائیک کی چین میں...؟''

علی نے فوراً اترتے ہوئے کہا:

''وہ بائیک ابھی سامنے والی گلی میں گئی ہے...''

عمر نے چونک کر اس گلی کی طرف دیکھا۔ تیزی سے بولا:

''تو بائیک پہ بیٹھو... پیدل جائیں گے کیا ہم اس کے پیچھے...''

علی جلدی سے بائیک پہ بیٹھ گیا۔ عمر نے بائیک گھمائی اور اس گلی کی طرف دوڑا دی۔ جب وہ گلی میں داخل ہوئے تو اگلی بائیک انہیں دور گلی کے دوسرے سرے پر بائیں جانب مڑتی ہوئی دکھائی۔

''تیز چلاؤ... تیز... وہ نکل نہ جائے...''

''پاگل ہوگئے ہو... یہ پتلی سی گلی... ایکسیڈنٹ ہوسکتا ہے...''

عمر نے کہا، تاہم اس نے رفتار کچھ تیز کردی۔ جب وہ گلی کے موڑ پہ پہنچے تو دوسری طرف کی گلی میں انہیں اگلی بائیک اگلے موڑ سے گھومتی ہوئی دکھائی۔ اب عمر نے رفتار کچھ مزید تیز کردی۔ اگلی بائیک والے

کو شاید معلوم نہیں تھا کہ اس کا پیچھا کیا جا رہا ہے۔ وہ اپنی رفتار سے آگے جا رہا تھا۔ پھر اس نے بائیک چلاتے چلاتے موبائل نکال کر کان سے لگالیا۔ بائیک چلاتے چلاتے فون پہ باتیں کرنے لگا۔ دو تین گلیوں میں مڑنے کے بعد اگلی بائیک والا۔ ایک نکڑ پہ رک گیا۔

بائیک کھڑی کی اور نیچے اتر گیا۔ گلی میں اندھیرا تھا۔ وہ اندھیرے میں کھڑے ہو کر باتیں کرنے لگا۔ عمر اور علی نے بائیک وہیں چھوڑ دی۔ پیدل چلتے ہوئے وہاں تک گئے ۔اس کے قریب پہنچے تو انہوں نے دیکھا، اس نے اب چہرے پہ ایک رومال باندھ لیا تھا۔ فون کان سے لگائے کہہ رہا تھا۔

''ٹھیک ہے ...میں قریب میں ہی ہوں ...اس پہ نظر رکھو...آج بچنا نہیں ہے اُسے...''

عمر اور علی کو دیکھ کر وہ چونکا، مگر دو چھوٹے لڑکوں کو دیکھ کر مطمئن انداز میں چہرہ دوسری طرف کرلیا۔

''میں پانچ منٹ میں آ رہا ہوں...''

عمر نے اس کے سامنے آتے ہوئے کہا:

''تم کہیں نہیں جا رہے دوست...''

وہ ایسے اچھلا جیسے کسی بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔ گھبرا کر پلٹا۔ تیزی سے غرایا:

''کون ہو تم...چلو یہاں سے...نکلو...''

علی اس کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے بولا:

''اتنی آسانی سے نکل جائیں ...نیشنل پارک سے تمہارا پیچھا کرتے ہوئے آ رہے ہیں ...بڑی مشکل سے ڈھونڈا ہے تمہیں...''

اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔ ہکلا کر بولا:

''ن ...نیشنل پارک ...کک ...کون ہو تم ...کیوں کر رہے ہو میرا پیچھا...''

عمر بھی اس کے سامنے آ گیا۔ علی کے بازو میں کھڑے ہوتے ہوئے بولا:

''تمہیں سمجھانے آئے ہیں ...جس کو مارنے جا رہے ہو...مت مارو...کسی کو مارنا، کسی کی جان لینا اچھی بات نہیں ہے...''

وہ ایک لمحے کو ساکت سا ہو گیا۔ باری باری دونوں کو دیکھنے لگا۔

''اوہ...تو تم نے میری باتیں سن لی تھیں...''

''ہاں ...اسی لیے تمہارے پیچھے آئے ہیں ...کسی کو مارنا اچھی بات نہیں ہے...ہم اسے بچانے آئے ہیں...اور تمہیں سمجھانے آئے ہیں...''

وہ ایک طویل سانس لیتے ہوئے کچھ ڈھیلا ہو گیا۔ فون کو جیب میں رکھنے والے انداز میں ہاتھ اپنی پینٹ کی طرف لے گیا۔ اگلے ہی لمحے اس کا ہاتھ واپس اوپر آیا تو اس میں ایک ٹی ٹی پستول چمک رہا تھا۔ اس نے غرا کر کہا:

''تم کسی کو بچانے نہیں آئے ...تمہاری موت تمہیں یہاں لے آئی ہے...اور...''

اس کی بات ادھوری رہ گئی ۔علی کی گھومتی ہوئی لات اس کے ہاتھ پہ پڑی تھی۔ اور اس کے ہاتھ سے پستول نکل کر دور اندھیرے میں کہیں جا گرا۔

وہ بوکھلا گیا۔ تیزی سے گھوما تو عمر کی فلائنگ کک اس کے منہ پہ لگی اور وہ اچھل کے پیٹھ کے بل گرا۔ عمر اور علی تیزی سے اس کی طرف بڑھے، مگر یہی ان کی غلطی تھی۔

گرنے والا اتنی ہی تیزی سے اچھل کر کھڑا ہوا اور اور اٹھتے ہی اس نے دونوں کے ہاتھ پکڑ کر پیچھے کی طرف دھکیلا۔ دونوں ہی اپنی جھونک میں اس کی پشت کی طرف گرتے چلے گئے ۔اس کا مطلب تھا کہ وہ بھی کچھ تر نوالہ نہیں تھا۔ لڑائی بھڑائی کے فن سے واقف تھا۔

علی اور عمر نے دونوں ہاتھ زمین پہ رکھ کر خود کو منہ کے بل گرنے سے بچایا۔ پھر سیدھے ہو کر پلٹے تو حملہ آور اجنبی ان کے سامنے چٹان کی طرح کھڑا تھا۔ رومال ابھی تک اس کے چہرے پہ تھا۔ گلی کے ملگجے اندھیرے میں اس کا قد کاٹھ اور صرف چمکتی ہوئی آنکھیں دکھائی دے رہی تھیں۔

وہ اپنی کاٹھی کے حساب سے کچھ مضبوط آدمی تھا۔ اور یہ تو وہ دیکھ ہی چکے تھے کہ لڑائی بھڑائی کے فن میں ماہر تھا۔ ان دونوں کو پلٹتے دیکھ کر وہ ذرا سا آگے کو جھکا اور دونوں مٹھیاں بھینچ کر ماہر باکسروں کی طرح کھڑا ہو گیا۔ غراتے ہوئے بولا:

''مجھے نہیں معلوم تم کون ہو...مگر جس طرح مجھ پہ حملہ کیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ...تم بچے تو ضرور ہو، مگر بے حد غیر معمولی بچے ہو...''

علی نے دانت پیستے ہوئے کہا:

'' بچے غیر معمولی ہی ہوتے ہیں ...جو انہیں معمولی سمجھتے ہیں۔ وہ بعد میں پچھتاتے ہیں...''

''دیکھو بچو ...میری تمہاری کوئی لڑائی نہیں ...نہ میں تمہیں جانتا ہوں ...نہ تم مجھے جانتے ہو...کیوں میرا وقت برباد کر رہے ہو...جاؤ اپنے کام سے

کام رکھو...''

عمر نے بھی اس کی طرح اپنی مٹھیاں بھینچ کر پوزیشن لیتے ہوئے کہا:

''ہم یہی کام کرتے ہیں...اس وقت اپنے کام سے کام ہی میں مصروف ہیں...تم کسی کو مارنے آئے ہو...اور ہم اسے بچانے آئے ہیں...''

وہ حیرانی سے بولا:

''تم بچانے آئے ہو...مگر تمہارا کیا تعلق اس سے ...کیا تم اسے جانتے ہو...؟''

علی نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا:

''ہم اسے نہیں جانتے ...مگر کسی کو بچانے کے لیے اس سے جان پہچان ہونا ضروری تو نہیں...''

''مجھ سے کیا چاہتے ہو تم...''

''تم خود کو قانون کے حوالے کر دو...''

'' قانون ...'' وہ ہنسا۔پھر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے مزاحیہ انداز میں بولا:

''مجھے تو یہاں کہیں قانون دکھائی نہیں دے رہا...''

عمر نے کہا:

''ہم نظر نہیں آ رہے...ہم ہیں نا قانون کے رکھوالے...''

وہ حیرانی سے ان کو دیکھنے لگا۔

'' تم ...اور قانون کے رکھوالے ...کیا اب قانون بچوں کا کھیل بن گیا ہے...قانونی اداروں نے بچے بھرتی کرنا شروع کر دیے...''

علی نے ہنس کر کہا:

''ہم بچے ذرا کچھ اور طرح کے ہیں...ہمارے دن رات قانون کی بالا دستی کے لیے گزرتے ہیں ...تم جیسے مجرموں کو پکڑنا، ہمارا کھیل ہے...''

وہ انہیں دیکھتا رہا۔پھر ہنس کے بولا:

''مجرم..مگر میں نے تو کوئی جرم ہی نہیں کیا ابھی....''

''مگر جرم کرنے تو جا رہے تھے...کسی کی جان لینے کے ارادے سے یہاں آئے ہونا...''

اس نے کاندھے اچکا کر کہا:

''ہاں ...ارادہ تو یہی ہے ...کسی کی جان لینے آیا تھا ...تم راستے میں آ گئے ...اب تمہیں بھی ٹپکا کر جانا ہو گا تم جیسے بچوں سے نپٹنا میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے...''

اس نے کہتے ہوئے اپنا بائیں ہاتھ گھمایا، علی فورا جھکائی دے گیا۔اس نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر دائیاں ہاتھ بھی گھما دیا۔

عمر جو علی کو جھکتے دیکھ کر ایک لمحے کے لیے اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔مار کھا گیا۔حملہ آور کا گھونسا کسی بم کے گولے کی طرح اس کی کنپٹی پہ لگا، اور وہ لہرا کر گرا۔

علی سیدھا ہوا تو اس نے دیکھا کہ عمر پیٹھ کے بل گر رہا ہے ۔اس نے فورا لپک کر عمر کو تھاما۔اسے گرنے سے بچایا۔عین اسی وقت حملہ آور کی زوردار لات اس کی پیٹھ پہ پڑی ۔اور وہ عمر کے ساتھ زمین بوس ہو گیا، مگر تیزی سے پلٹا۔

حملہ آور دوبارہ پوزیشن لے چکا تھا۔علی نے پلٹ کر دیکھا۔عمر نیچے گر چکا تھا۔کنپٹی پر پڑنے والا گھونسا شاید کچھ زیادہ ہی قوت سے لگا تھا۔وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔نقاب پوش نے ہنس کر کہا:

''قانون کا ایک رکھوالا تو گیا...اب تمہاری باری ہے...''

اس سے پہلے کہ اس کی بات پوری ہوتی ۔علی پلک جھپکنے میں ہوا میں اچھلا تھا، اور ہوا میں گھومتے ہوئے اس کی کک پوری قوت کے ساتھ رومال پوش کی گردن پہ لگی تھی ۔وہ ایک ہلکی سی چیخ کے ساتھ زمین پہ گر گیا۔علی بھی گر گیا تھا، مگر وہ تیزی سے کھڑا ہو گیا۔

بھاگتے ہوئے رومال پوش کی طرف بڑھا، اور کوشش کی کہ جاتے ہی اس کی پسلیوں میں لات جڑ دے، مگر رومال پوش اس کی توقع سے بھی زیادہ پھرتیلا ثابت ہوا۔اس قدر زور دار لات کھانے کے باوجود اس کے اوسان خطا نہیں ہوئے تھے۔

وہ علی کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی، سڑک پر پلٹی کھا کر اچھلا اور کھڑا ہو گیا۔علی نے اس کی پسلی میں لات ماردی تھی، مگر وہ بچ گیا تھا۔اب اس جگہ موجود ہی نہیں تھا۔علی کی ٹانگ ہوا میں لہرا کر رہ گئی۔وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔لڑکھڑا کر رہ گیا۔عین اسی وقت رومال پوش کا گھونسا اس کی گردن سے ٹکرایا۔اور وہ کسی کٹے ہوئے شہتیر کی طرح زمین پہ آ رہا۔

گھونسا اتنی قوت سے مارا گیا تھا کہ علی ہوش کھو بیٹھا۔نیچے گرنے سے پہلے ہی بے ہوش ہو گیا۔

ان دونوں سے فارغ ہو رومال پوش نے ادھر ادھر دیکھا۔مگر کچھ نظر نہیں آیا۔وہ شاید اپنا ٹی ٹی پستول ڈھونڈ رہا تھا، جو گلی کے نکڑ کی طرف اندھیرے میں جا گرا تھا۔ایک دو بار دیکھنے پہ بھی جب ٹی ٹی پستول دکھائی نہیں دیا تو اس نے پلٹ کر علی اور عمر کی طرف دیکھا۔وہ زمین پہ آڑے ترچھے پڑے تھے۔

یہ ایک ویران سی گلی تھی ۔ویسے بھی بازار کا حصہ تھا جو اب شام ہونے کی وجہ سے بند ہو چکا تھا۔اس نے آگے بڑھ کر پہلے عمر کو ٹانگ سے پکڑ کر کھینچا اور گلی کے ساتھ اندھیرے میں ڈال دیا۔پھر علی کو اسی طرح ٹانگ سے پکڑ کر کھینچا اور اس کے ساتھ ڈال دیا۔جھک کر اطمینان کیا کہ وہ اچھی طرح بے ہوش ہیں یا نہیں۔اسی وقت اس کی جیب میں رکھے موبائل فون کی گھنٹی بجی ۔اس نے فون نکال کر دیکھا۔

کال ریسیو کر کے موبائل کان سے لگا لیا۔

''ہیلو...کہاں پہنچے...''

دوسری طرف سے آواز آئی۔

''گلی نمبر سات میں ...وہ پی سی او کی طرف بڑھ رہا ہے...شاید کسی کو فون کرنے والا ہے...''

''پی سی او کی طرف.. پاگل تو نہیں ہو..فون ہو گا اس کے پاس، پھر پی سی او کی طرف کیوں جانے لگا؟''

''تو پھر شاید وہ ری چارج کرانے جا رہا ہے...''

'' ٹھیک ہے ...میں پانچ منٹ

میں آ رہا ہوں...اس کو نکلنے مت دینا...آج وہ بچ نہیں سکتا ...''

اس نے فون کال منقطع کی اور تیزی سے بھاگتے ہوئے گلی سے نکل گیا۔وہ اس وقت گلی نمبر پانچ میں تھا۔گلی نمبر سات زیادہ فاصلے پر نہیں تھی۔

پہلے عمر کو ہوش آیا۔

وہ اندھیرے میں پڑا ہوا تھا۔پہلے تو اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کہاں ہے۔پھر ایک دم سے کنپٹی پہ ٹیس سی اٹھی تو سب کچھ یاد آ گیا۔

اس نے تیزی سے اٹھنے کی کوشش کی مگر نقاہت کے مارے چکرا کر رہ گیا۔کنپٹی پہ لگنے والی ضرب اتنی شدید تھی کہ اس کا سر اب بھی گھوم رہا تھا۔وہ جو کوئی بھی تھا،بہت طاقت ور تھا۔اس کے ہاتھ میں بڑی قوت تھی۔اسے یاد آ گیا کہ کنپٹی پہ جب گھونسا لگا تو اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا۔پھر اسے کچھ یاد نہیں رہا تھا۔وہ گہری تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا تھا۔سب کچھ یاد آ گیا تو علی کا خیال آیا۔گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا تو قریب ہی علی بھی بے سدھ پڑا دکھائی دیا۔

وہ اپنی کنپٹی کی ٹیسیں بھول گیا۔لپک کر علی کے قریب پہنچا۔اس کی سانس چیک کی ۔پھر اطمینان بھری سانس اس کے حلق سے نکل گئی ۔علی بھی اس کی طرح محض بے ہوش ہوا تھا۔شاید اس کی کنپٹی پہ بھی رومال پوش کا گھونسا پڑا ہوگا۔اس نے علی کو جھنجھوڑا تو اس نے کسمسا کر آنکھیں کھول دیں،غنودگی کے عالم میں بولا:

''کیا ہے...سونے کیوں نہیں دیتے...؟''

''تم سو نہیں رہے ...بے ہوش ہو گئے تھے ...اٹھ جاؤ...وہ بھاگ گیا...''

علی نے آنکھیں کھول دیں۔

''کون بھاگ گیا...؟''

''وہی جس نے تمہیں اور مجھے بے ہوشی کی وادی میں پہنچایا تھا...''

علی اٹھ بیٹھا۔اٹھتے ہی احساس ہوا کہ گردن کے پٹھے بری طرح کھنچے ہوئے ہیں۔اس کا ہاتھ سیدھا گردن پہ گیا۔عمر نے دیکھا اس کی گردن کچھ سوجی ہوئی تھی ۔جانے کتنی دیر تک بے ہوش رہے تھے وہ۔

''تمہاری گردن پہ لگی ہے...''

''ہاں...''علی نے بے بسی سے کہا:

''وہ بہت طاقت ور آدمی تھا...بہت جان تھی اس کے ہاتھ میں...''

''دعا کرو وہ ایک بار پھر سامنے آئے ...اس کی چٹنی بنانا ضروری ہو گیا ہے...''

علی کھڑا ہو گیا۔کپڑے جھاڑتے ہوئے بولا:

''وہ اب کہاں ہاتھ آئے گا...وہ تو قتل کر کے جا بھی...''

وہ کہتے کہتے رُک گیا۔چونک کر عمر کی طرف دیکھا۔وہ بھی کھڑا ہو گیا تھا۔تاسف سے دیکھ رہا تھا۔اس نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا:

''دعا کرو...وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو پایا ہو...''

وہ دونوں ایک دوسرے کو سہارا دیتے ہوئے گلی سے باہر آ گئے ۔چلتے ہوئے باتیں کرتے اپنی بائیک کی طرف جانے لگے ۔ایسے میں وہ بھول گئے تھے کہ رومال پوش کی بائیک وہیں گلی میں کھڑی تھی جس کو ڈھونڈتے ہوئے وہ یہاں تک آئے تھے۔پیدل چلتے ہوئے وہ کچھ ہی دیر میں اپنی بائیک تک پہنچ گئے ۔عمر بائیک اسٹارٹ کرنے لگا تو علی نے چونکتے ہوئے کہا:

''حیرت کی بات ہے ...متوقع قاتل جس بائیک پہ آیا تھا...وہ بائیک تو اسی گلی میں کھڑی ہے ...وہ واپس کیسے گیا ہوگا...؟''

عمر بری طرح چونکا۔

''بائیک...؟''

علی نے اثبات میں سر ہلایا۔

''ہاں...وہ بائیک وہیں کھڑی ہے...''

عمر جھنجھلا کر بولا:

''اور تم یہ بات اب بتا رہے ہو...''

علی نے مزاحیہ انداز میں کہا:

''اچھا...ابھی نہیں بتانا تھا...بعد میں بتانا تھا...''

عمر کو غصہ آ گیا۔

''بعد میں نہیں بے وقوف...اسی وقت بتانا تھا...اس کی بائیک وہیں ہے تو اس کا مطلب ہے وہ بھی قریب میں ہی کہیں ہوگا...جلدی آؤ...''

وہ بھاگتے ہوئے وہاں پہنچے جہاں بائیک کھڑی تھی ۔گلی کے نکڑ پر پہنچتے ہی ٹھٹک کر رک گئے ۔

بائیک اب وہاں نہیں تھی۔

عمر نے غصے سے علی کی طرف دیکھا۔علی نے ہکلا کر کہا:

'' ابھی کچھ دیر پہلے تو یہیں تھی ...حیرت ہے...بائیک خود بخود اکیلی بھی کہیں چلی جاتی ہے...''

عمر نے ضبط کرتے ہوئے کہا:

''بائیک خود نہیں گئی کہیں ...بائیک والا اپنی بائیک لے گیا...''

دونوں پلٹنے ہی لگے تھے کہ انہیں دو تین گلیاں آگے کی جانب کچھ لوگ لپکتے ہوئے دکھائی دیے۔

''وہاں کیا ہے ...'' دونوں نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔پھر جیسے ان کی سمجھ میں آ گیا۔وہ دوڑتے ہوئے وہاں پہنچے ۔گلی نمبر سات میں داخل ہوئے تو دیکھا لوگوں کا ہجوم گلی میں موجود ہے۔وہ بھیڑ چیرتے ہوئے آگے پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ گلی کے وسط میں ایک ڈیڈ باڈی اوندھے منہ پڑی ہے۔اسی وقت علی اور عمر نے ڈیڈ باڈی کی طرف دیکھا تو ان کی آنکھیں حیرانی سے پھیلتی چلی گئیں۔

پھر کیا ہوا.......................؟

یہ دل چسپ ،سنسنی خیز، جاسوسی کہانی ابھی جاری ہے۔آگے کے واقعات پڑھنے کے لیے اگلے ماہ کا شمارہ ملاحظہ کیجیے

☆☆☆☆

"شاہینو! آپ کا بھائی جان بہت ہی فارغ، بے کار بیٹھا بور ہو رہا ہے۔ آپ اسے اپنے شرارتی سوالات سے جتنا تنگ کر سکتے ہیں کریں۔ سوالات کو پن پر لکھ کر بھیجیں اور بھائی جان کی ناک میں دم کر کے رکھ دیں۔"

☆☆☆

سوال: بھائی جان آپ کے کتنے بچے ہیں؟

(اسد، پشاور)

جواب: میں ابھی تک خود بچہ ہوں۔

☆☆☆

سوال: بھائی جان آپ جواب کیوں نہیں دیتے؟

(حمزہ، سوات)

جواب: تو کیا ہر ماہ ان صفحات پر پکوڑے تلتا ہوں؟

☆☆☆

سوال: بھائی جان آپ میٹرک میں کون سے نمبر آئے تھے؟

(بلال، بنوں)

جواب: پہلے نمبر پر، آخری طرف سے۔

☆☆☆

سوال: بھائی جان آپ شاہین ڈائجسٹ میں کیا کام کرتے ہیں؟

(عبدالرحیم، بنوں)

جواب: میں یہاں بیٹھ کر آپ کے سوالات پر روتا ہوں، جس پر آپ ہنستے ہیں۔

☆☆☆

سوال: بھائی جان سنا ہے آپ کے سر پر بال نہیں ہیں؟

(یونس، درہ آدم خیل)

جواب: نہیں میرے سر پر گھاس ہے۔

☆☆☆

سوال: بھائی جان میں نے سنا ہے کہ آپ کا سر گنجا ہے؟

(سدلیس اسد، ایبٹ آباد)

جواب: کیوں تالی مارنا چاہتے ہو۔

☆☆☆

سوال: بھائی جان شاہین ڈائجسٹ کا کیا مقصد ہے؟

(فواد اسد، ایبٹ آباد)

جواب: شاہینوں کو اڑنا سکھانا

☆☆☆

سوال: بھائی جان مجھے شاہین ڈائجسٹ میں آنے کیلئے کیا کرنا ہوگا؟

(مظہر حسین، لکی مروت)

جواب: گاڑی میں بیٹھ کر پشاور آنا ہوگا۔

☆☆☆

سوال: بھائی جان آپ کا گھر ہے کہ نہیں؟

(ظفر، کرک)

جواب: نہیں میں تو وائٹ ہاؤس میں رہتا ہوں

☆☆☆

سوال: بھائی جان آپ زیادہ کیوں ہنستے ہیں؟

(نعمان ظفر، سوات)

جواب: کیونکہ فی الحال پاکستان میں ہنسی پر ٹیکس نہیں لگا۔

☆☆☆

سوال: بھائی جان آپ اتنے ذہین کیوں ہیں؟

(تصنیف ریاض، بنوں)

جواب: کیونکہ میں دماغ کھاتا ہوں۔

☆☆☆

سوال: بھائی جان آپ کیوں نسوار کھاتے ہیں؟

(میاں نوید، بونیر)

جواب: آپ مرغ کھلایا کریں، نسوار نہیں کھاؤں گا۔

☆☆☆

سوال: بھائی جان کیا آپ عمران خان کیساتھ ہیں؟

(علی خان، ڈیرہ اسماعیل خان)

جواب: نہیں میں تو اپنے گھر پر ہوں۔

☆☆☆

سوال: بھائی جان کورونا وائرس پاکستان میں سب سے پہلے کس کو لگی تھی؟

(دانیال سلیم خان، میدان دیر لوئر)

جواب: کورونا وائرس پاکستانیوں کو نہیں بلکہ پاکستانی کورونا وائرس کو لگے تھے۔

☆☆☆

سلطان سلیمان اعظم

سلیمان اعظیم کی عظیم شخصیت

سلیمان اعظم دسویں عثمانی سلطان اور دوسرے عثمانی خلیفہ تھے ان کے خلیفہ بننے کے چند ہفتے بعد وینس کا سفیر بارٹولو میو عثمانی دربار میں حاضر ہوا وہ ان کے بارے میں لکھتا ہے: 26 سال کا سلطان اونچے قد اور مضبوط جسم والا ہے، اس کی گردن قدرے لمبی، چہرہ پتلا اور ناک عقابی ہے۔ مونچھیں ہلکی اور داڑھی چھوٹی ہے، اس کی چال ڈھال اچھی اور جلد کی رنگت ہلکی زرد ہے۔ وہ عقل مند آقا اور مطالعے کا شوقین ہے اور سب لوگ اس کی حکومت سے اچھی امید رکھتے ہیں۔

عثمانی صفوی معاہدہ

ایشیاء میں صفوی سلطنت عثمانیوں کی سب سے بڑی مخالف تھی، تقریباً چالیس برس دونوں سلطنتوں میں جنگوں کا سلسلہ جاری رہا۔ آخر کار 1554 میں دونوں میں امن معاہدہ طے پا گیا، اس کے مطابق سلیمان اعظم نے تبریز کا علاقہ، شاہ طہماسپ صفوی کو واپس کر دیا تاہم بغداد اور بصرہ سمیت خلیج فارس تک کا علاقہ عثمانی سلطنت میں شامل ہو گیا، اس کے بعد عراق پہلی جنگ عظیم تک عثمانیوں کے پاس رہا حتیٰ کہ اس پر انگریز قابض ہو گئے بغداد کی فتح سے سلیمان اعظم عباسی خلافت کے وارث بن گئے تھے۔

سکندر اعظم جیسا فاتح بننے کی آرزومند

بعض مورخین لکھتے ہیں کہ سلیمان اعظم اپنی جوانی ہی سے سکندر اعظم کی تعریف کرتے تھے وہ اس یونانی فاتح کی طرح ایک عالمی سلطنت تعمیر کرنے کے خواہش مند تھے جو مشرق و مغرب تک پھیلی ہو۔ انہوں نے یورپ، ایشیاء اور افریقا کے ان علاقوں میں جنگیں لڑیں جہاں سکندر اعظم نے بھی فوجی مہمات سر کی تھیں، سلیمان اعظم نے سکندر اعظم کی جنگی حکمت عملی کا بھرپور مطالعہ کیا تھا۔

صومالیہ سلطنت عثمانیہ میں

اس زمانے میں حبشہ (ایتھوپیا) کی عیسائی سلطنت اور صومالی عدل سلطنت میں جنگوں کا سلسلہ جاری تھا، سلیمان اعظم نے صومالی بادشاہ احمد بن ابراہیم الغازی کی مدد کیلئے 900 عثمانی مجاہدین کا ایک دستہ روانہ کیا اور صومالیوں نے حبشہ کا بڑا علاقہ فتح کر لیا پھر جب عدل سلطنت پرتگالی حملہ آوروں کے مقابلے میں کمزور ثابت ہوئی تو سلیمان نے صومالیہ کو عثمانی سلطنت میں شامل کر لیا اس سے بحیرہ عرب اور بحر ہند کے جزائر میں پرتگالیوں کی لوٹ مار ختم ہو گئی۔

پرتگالیوں کے خلاف آچے کی مدد

انڈونیشیا کے جزیرہ سماٹرا میں آچے کی اسلامی سلطنت کو بھی پرتگالیوں سے خطرات درپیش تھے سلطان آچے نے ایک وفد بھیج کر امداد کی درخواست کی تو خلیفہ سلیمان نے ایک امدادی فوج روانہ کی جس سے آچے والوں کو اپنے دفاع میں مدد ملی۔

طرابلس، تیونس اور الجزائر کا الحاق

ہسپانوی شاہ چارلس پنجم نے ابتداء میں طرابلس (لیبیا)، تیونس اور الجزائر کے ساحلی علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا 1538ء میں عثمانی امیر البحر خیر الدین بار بروسا نے پر یوزا (یونان) کی بحری جنگ میں ہسپانوی امیر البحر اینڈ ریا ڈوریا کو شکست دی اس کے بعد بار بروسا نے برابلس، تیونس اور الجزائر سے ہسپانویوں کو مار بھگایا اور یہ تینوں ممالک عثمانی سلطنت کے صوبے بن گئے۔

کیا آپ جانتے ہیں؟

عثمانی امیر البحر خیر الدین بار بروسا ایک بحری مہم جو تھا۔ اس نے اپنے بھائی عروج کے ہمراہ طرابلس فتح کر کے سلطان سلیمان کی سلطنت میں شامل کر دیا تو خلیفہ نے خوش ہو کر اسے عثمانی بحری فوج کا امیر البحر بنا دیا، خیر الدین کی داڑھی سرخ تھی اس لئے اس کا نام بار بروسا (سرخ داڑھی والا) پڑ گیا۔

عثمانی بیڑا فرانسیسی بندرگاہ طولون میں

شاہ فرانس، فرانسس اول نے ، ہسپانیہ کے خلاف ، سلطان سلیمان سے مدد کی درخواست کی تو انہوں نے خیر الدین بار بروسا کی قیادت میں 100 بحری جنگی جہاز مغربی بحیرہ روم میں بھیج دیئے۔ بار باروسا نے سسلی اور نیپلز (اٹلی) کے ساحلوں پر حملہ کیا اور فرانسیسی بندرگاہ طولون پہنچ گئے ، جسے فرانسس اول نے عثمانی امیر البحر کا مغربی ہیڈ کوارٹر بنانا قبول کیا ۔ بار بروسا نے 1543 میں فرانسیسی بندرگار نیس بھی ہسپانیہ کے قبضے سے چھڑا لی۔

دستکاروں کے سرپرست خلیفہ

سلیمان نے قصر توپ کاپی میں سینکڑوں دستکاروں وار ہنر مندوں کو جمع کر لیا تھا۔ اہل حرفہ کے نام سے ماہر ہنر مندوں کو بھاری سہ ماہی وظیفے دیئے جاتے تھے 1526ء کی ایک دستاویز کے مطابق پوری سلطنت میں 40 ایسے تربیتی ادارے تھے جن کے ارکان کی تعداد 600 تھی یوں عثمانی دربار میں مختلف ملکوں کے ماہر معمار، مصور، جلد ساز، کندہ کار، جوہری اکٹھے ہوئے تھے۔

خلیفہ سلیمان اعظم قانونی

یورپی مورخ لارکنز اس لکھتے ہیں، سلیمان اپنے باپ دادا کی طرح ایک عظیم فوجی مہم ساز اور شمشیر زن ہی نہیں تھا۔ وہ اس لحاظ سے ان سے مختلف تھا کہ وہ صاحب قلم بھی تھا۔ وہ ایک عظیم قانون ساز تھا اور اپنی رعایا کی نگاہ میں ایک عالی دماغ حکمران اور عدل وانصاف کا شاندار نمونہ تھا، سلطنت کا قانون اعلیٰ اسلامی شریعت تھی، تاہم سلطان نے انتظام سلطنت کی بہتری کیلئے ایک قانون ضابطہ جاری کیا جو قانون عثمانی کہلایا، اس لئے خلیفہ سلیمان اعظم کو سلیمان قانونی بھی کہا گیا ہے۔

عثمانی سلطنت میں مفت تعلیم

سلطنت عثمانیہ میں مسجدوں کے ساتھ مدرسے بھی تھے تعلیم مفت تھی پرائمری سکول مکاتب کہلاتے تھے، سلیمان نے دار الخلافہ قسطنطنیہ میں 14 نئے مدرسے قائم کئے جہاں طلبہ کو پڑھنا لکھنا سکھایا جاتا اور اسلام کی تعلیم دی جاتی ، مزید تعلیم کیلئے 8 مدارس یا کالج قائم تھے جہاں گرامر، دینیات ، فلسفہ، تاریخ، جغرافیہ اور فلکیات کے مضامین پڑھائے جاتے۔ اعلیٰ مدارس میں یونیورسٹی سطح کی تعلیم دی جاتی، ان سے فارح ہونے والے امام، خطیب اور استاد بنتے تھے۔

سلطان کا وزیر اعظم

پرگلی ابراہیم پاشا پرگہ (البانیا) کا ایک عیسائی غلام تھا جس کی تربیت مدرسہ توپ کاپی میں ہوئی اور اس نے اسلام قبول کر لیا اور سلیمان اعظم نے اسے اپنے دربار میں مختلف عہدوں پر فائز کیا، مسلسل محنت ، دیانت اور اعلیٰ کارکردگی کی بنیاد پر 1523ء میں ابراہیم پاشا صدر اعظم (وزیر اعظم) اور عثمانی افواج کے سپہ سالار بنا دیا گیا، صدر اعظم کے طور پر اس نے عثمانی سلطنت کی شاندار خدمات انجام دیں۔

دنیا کی سب سے طاقتور سلطنت

سلیمان عالی شان نے اپنے 46 سالہ دور حکومت میں ترکی کو دنیا کی سب سے عظیم سلطنت میں تبدیل کر دیا اور دور کا ترکی کی تعمیرات، فوجی طاقت اور علم وآداب میں دنیا میں سب سے آگے تھا، ترکی کی بندرگاہوں پر دنیا بھر کے جہاز آتے تھے ان کے دور میں اسلام افریقا اور دنیا کے کئی دور دراز جزاء تک پھیل گیا۔

بددعا

دانیال حسن

محمد ساجد شہر کے بہت بڑے تاجر تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت ساری دولت اور زندگی کی تمام نعمتوں سے نوازا تھا۔ وہ اپنی بیگم اور اکلوتے بیٹے کے ساتھ ایک بہت بڑی کوٹھی میں رہتے تھے۔لیکن ان میں ایک بہت بڑی خامی یہ تھی کہ بہت زیادہ دولت نے انہیں مغرور کر دیا تھا اور وہ غریبوں کی مدد کرنا درکنار ان سے بات کرنا تک گوارہ نہ کرتے تھے۔

ایک دن وہ صبح سویرے اپنے پالتو جانوروں کو کھانا کھلا رہے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی چوکیدار چھٹی پر تھا اسی لیے مجبوراً انہیں خود دروازہ کھولنے جانا پڑا۔ چوکیدار کو گالیاں دیتے ہوئے جب انہوں نے دروازہ کھولا تو سامنے ایک ضعیف بزرگ کھڑے تھے اور حلیے سے غریب دکھائی دیتے تھے محمد ساجد نے درشت لہجے میں ان سے آنے کی وجہ دریافت کی۔ تو بزرگ نے کہا کہ اللہ کے نام پر کچھ مدد کر دو اللہ آپ کے رزق میں برکت دے یہ سننا تھا کہ محمد ساجد کا پارا چڑھ گیا انہوں نے نہایت بدتمیزی سے جواب دیا کہ کیا میں اس لیے کماتا ہوں کہ تم جیسے کام چوروں کی مدد کرتا رہوں ہڑتال والے دن بھی چین نہیں ہے بھیک مانگتے ہوئے شرم نہیں آتی دفع ہو جاؤ یہاں سے بزرگ نے یہ سن کر کہا کہ غرور کا سر کبھی اٹھا نہیں رہتا یہ اس غریب کی بددعا ہے کہ تم رزق کے ایک ایک نوالے کو ترسو گے۔

انہوں نے فقیر کی بات کو سن کر ان سنی کر دیا اور ابھی واپس پلٹنے ہی تھے کہ خانساماں کی خوف ناک آواز سنائی دی وہ بھاگ کر باورچی خانے میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ خانساماں زمین پر گرا ہوا ہے اور اس کے اوپر چائے کی پتیلی اور فرائی پائن اس پر گرا ہوا ہے۔

دراصل ان دنوں ساجد کی اہلیہ بیٹے کو ساتھ لے کر میکے گئی ہوئی تھی اسی لیے ناشتہ خانساماں بنا رہا تھا کہ یہ حادثہ پیش آ گیا انہوں نے نہ چاہتے ہوئے بھی اس کو ساتھ لیا اور قریبی کلینک لے گئے اس کے دونوں ہاتھ بری طرح جل گئے تھے مجبوراً اس کو بھی چھٹی دینی پڑی ان کو خود تو کچھ بنانا آتا نہیں تھا اسی لیے دفتر جا کر کچھ کھا لوں گا لیکن پھر یاد کہ آج تو ہڑتال ہے دفتر کہاں کھلا ہوگا۔ اب انہوں نے سوچا کہ ناشتہ نہ سہی دودھ پی کر گزارا کر لیتے ہیں یہ سوچ کر انہوں نے باورچی کھانے میں قدم رکھا کہ بلی محترمہ آہٹ کی آواز سن کر تیزی سے بھاگی وہ نہ جانے کب سے دودھ کی دعوت اڑا رہی تھی اور بھاگتے ہوئے پیچھے بچے ہوئے دودھ کی پتیلی بھی گرا گئی بلی کو اچھی طرح برا بھلا کہنے کے بعد ساجد نے فیصلہ کیا کہ کچھ دیر ٹی وی دیکھنے کے بعد سوچے گئے کہ کیا کھانا پینا ہے۔

ٹی وی دیکھتے ہوئے انہیں کافی دیر ہو گئی تو انہوں نے گھڑی کی طرف نظر دیکھائی تو دن کے دو بج گئے تھے اور اب ان کے پیٹ چوہے بھی دوڑنے لگے تھے بھوک کی شدت سے انہوں نے باورچی خانے کی دوبارہ تلاشی لینے کی ٹھانی آخر کار انہیں بسکٹ کا ایک ڈبہ ملا لیکن جیسے ہی انہوں نے اسے کھولا تو چیونٹیوں نے بسکٹ کو کھا کر بھربھرا کر دیا تھا وہ طیش میں آ گئے لیکن کر کچھ نہیں سکتے تھے۔

آخر کار انہوں نے فیصلہ کیا کہ گھر کے قریبی ہوٹل سے نہاری لے کر کھا لیتے ہیں خوش قسمتی سے ہوٹل کھلا ملا وہ کھانا لے کر گھر آئے اور ابھی کھانا شروع کیا ہی تھا کہ انہیں نہاری کی پلیٹ میں کوئی چیز تیرتی ہوئی دیکھائی دی انہوں نے غور سے دیکھا تو نہاری میں کاکروچ تیر رہا تھا انہیں یہ دیکھ کر فوراً قے آ گئی۔ انہیں سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ اتنا بڑا تاجر جس کے گھر میں دولت کی ریل پیل تھی روٹی کے ایک نوالے کو ترس رہا تھا اچانک ان کے ذہن میں فقیر کی بددعا کے الفاظ گونجنے لگے اب انہیں احساس ہوا کہ صبح ان کے گھر پر سوالی بن کر آنے والا کوئی عام فقیر نہیں بلکہ اللہ کے نیک بزرگ تھے اور یہ ان کے بے عزتی کرنے کی سزا تھی جو محمد ساجد بھگت رہے تھے یہ خیال آتے ہی انہوں نے گاڑی نکالی اور بزرگ کو ڈھونڈنے نکل پڑے شام سے رات ہو گئی لیکن بزرگ کا پتہ نہ چلا اچانک انہیں پرانی جھونپڑی نظر آئی اس میں ہلکی ہلکی روشنی تھی وہ گاڑی سے باہر اترے اور اندر داخل ہو گئے ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی کیونکہ جھونپڑی میں وہی بزرگ محو عبادت تھے جن سے صبح ساجد نے بد اخلاقی کی تھی ساجد نے روتے ہوئے بزرگ سے معافی مانگی اور وعدہ کیا کہ وہ آئندہ کبھی غرور نہ کرے گا یہ دنیا فانی ہے اصل حقیقت انسان کے اعمال اور کردار کی ہے۔

بزرگ نے کمال شفقت سے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور پاس رکھی ہوئی کپڑے کی چھوٹی سی گٹھری ساجد کو دی ساجد نے گٹھری کھولی تو اس میں سوکھی روٹی اور اچار کا ٹکڑا رکھا تھا۔ اس کے ساتھ بزرگ نے مٹی کے پیالے میں پانی ڈالا اور ان کے پاس رکھ دیا ساجد نے بزرگ کا شکریہ ادا کیا اور خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا آج ان کو یہ کھانا فائیو سٹار ہوٹل کے کھانے سے بھی زیادہ لذیذ محسوس ہو رہا تھا ساجد نے اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا کہ اس نے انہیں سیدھی راہ دیکھا دی سچ ہے کہ صبح کا بھولا شام کو گھر واپس آ جائے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔

☆☆☆

کایا پلٹ

بنت عبدالہادی

نعیم جب سکول سے لوٹا تو اس کی امی نماز پڑھ کر اٹھ رہی تھیں۔نعیم نے انہیں سلام کیا اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔اس کی امی یہ دیکھ کر حیران ہوگئیں۔کیوں کہ اس سے پہلے نعیم جب بھی سکول سے آتا تو گھر سر پر اٹھا لیتا۔جبکہ آج وہ خلاف توقع سلام کر کے کمرے میں گیا۔

انہوں نے کھانا گرم کیا اور اس کے کمرے میں جا کر دیکھا تو وہ اپنے رب کے حضور سجدہ ریز تھا۔وہ خاموشی سے باہر نکل آئیں۔ پھر انہیں پچھلے مہینے کا واقعہ یاد آیا۔جب نعیم کے والد نے اسے نماز پڑھنے کیلیے کہا تھا تو اس نے کتنی ناگواری سے کہا تھا کہ کتنی عمر پڑی ہے نماز پڑھنے کے لیے۔

اس کی امی نے اسے پورا دن چیک کیا۔اس نے تمام نمازیں ادا کیں۔وہ سوچ رہی تھیں کہ نعیم میں تبدیلی کیسے آئی۔اس کے پیچھے کیا راز ہے۔باوجود کوشش کے وہ پوچھ نہ سکیں۔رات کے کھانے پر سب گھر والے جمع ہوئے تو اس کے چہرے پر اطمینان تھا۔

اس نے کھانے میں بھی کوئی نقص نہ نکالا۔، جب کہ پہلے وہ جو کھانے میں کوئی بھی چیز دی جاتی وہ خرابی ضرور نکالتا۔۔سونے سے پہلے جب وہ دودھ دینے اسکے کمرے میں گئیں تو وہ سکول کا کام کر رہا تھا۔

اس نے کچھ کہنا چاہا مگر کہہ نہ سکا۔

اس کی امی کو کل والا واقعہ یاد آیا کہ جب انہوں نے کہا تھا کہ تم سکول سے آ کر کھیلتے رہتے ہو یا کارٹون دیکھتے رہتے ہو۔کبھی پڑھ بھی لیا کرو۔تو نعیم انے انتہائی بدتمیزی سے جواب دیا تھا کہ کیا یہ کم ہے کہ میں سارا دن سکول میں پڑھ کر آتا ہوں۔

صبح جب وہ فجر کی نماز کیلیے گیا تو اس کی امی جان گئیں کہ اس میں تبدیلی آچکی ہے۔لیکن وہ خاموش رہیں کہ نعیم خود ان سے اس سلسلے میں بات کرے۔۔

سکول سے چھٹی کے بعد نعیم گھر لوٹا تو ابھی ظہر کی نماز میں کافی وقت باقی تھا۔اس کی امی نے اسے کھانا دیا تو وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔اس کی امی جان گئیں کہ وہ کچھ کہنا چاہتا ہے۔اس کی امی نے دست شفقت رکھتے ہوئے کہا کہ بیٹا نماز کا وقت ہونے والا ہے۔تم نماز پڑھ لو پھر سکون سے بات کریں گے۔

نعیم نماز پڑھ کر لوٹا تو سیدھا امی کے پاس آیا اور بتانے لگا۔کہ کل میں سکول جانے کے لیے بس سٹینڈ پر ٹھہرا تھا۔کیوں کہ تاخیر ہونے کی وجہ سے سکول بس جا چکی تھی۔اور مجھے اب عام بس سے سکول جانا تھا۔بس میں قرآن مجید کی تلاوت لگی ہوئی تھی جس میں بار بار اس آیت کا تذکرہ ہو رہا تھا کہ تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

کل سکول میں وقفے تک یہ آیت میرے ذہن میں گونجتی رہی۔میرے ذہن پر دباؤ بڑھتا جا رہا تھا کہ مجھے اچانک اپنے عربی کے استاد نظر آئے۔تو میں نے ان سے اس سلسلے میں بات کی تو انہوں نے میری رہنمائی کرتے ہوئے کہا اللہ تعالی نے ہمیں لاتعداد نعمتوں سے نوازا ہے۔مگر ہم ان کا شکر بجا نہیں لاتے۔ ہماری زندگی ختم ہو جاتی ہے مگر اللہ کی نعمتیں ختم نہیں ہوتیں۔اس لیے ہمیں چاہیے کہ اپنے رب کی عطا کردہ تمام نعمتوں کا شکر ادا کریں جس کا بہترین طریقہ نماز ہے۔والدین بھی اللہ کی ایک بہت بڑی نعمت ہیں۔ان کا احترام ہم پر واجب ہے۔یہ کہہ کر نعیم ایک لمحے کو رکا اور بولا امی جان جب سے میں نے آپ کا کہنا ماننا اور رب کے سامنے جھکنا شروع کیا ہے تو تب سے ایسا لگتا ہے کہ زندگی میں بہاریں لوٹ آئی ہیں۔

بیٹے کی یہ باتیں سن کر ماں کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔نعیم کی زندگی میں رونما ہونے والی تبدیلی ان کے لیے اطمینان وسکون کا باعث تھی۔

علی عمران ممتاز

''امی ابو کہاں ہیں؟'' ننھے کاشان نے اپنی امی سے پوچھا جو کہ کچھ عورتوں کے درمیاں فرش پر پڑی دری پر بیٹھیں تھیں۔

''بیٹا! آپ کے ابو کی طبیعت خراب ہے اس لیے انہیں ہسپتال داخل کروا آئے ہیں'' ماں نے آنکھوں سے نکلے آنسو صاف کرتے ہوئے پانچ سالہ کاشان کو بتایا۔ کاشان اچھلتا کودتا گھر سے باہر آ گیا اور گلی میں کرکٹ کھیلتے ہوئے اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ کرکٹ کھیلنے میں مصروف ہو گیا۔

صبح سے ہی نذر خان کے گھر محلے داروں اور رشتے داروں کا رش لگا رہا۔ کوئی آ رہا تھا تو کوئی واپس جا رہا تھا۔ اس گھر پر قیامت ٹوٹ پڑی تھی مگر پانچ سالہ کاشان اس قیامت سے بے خبر تھا۔ اسے پتہ ہی نہیں تھا کہ اس کی زندگی میں سب سے اہم انسان اس کا باپ ہے جو اب اس دنیا میں نہیں رہا۔ شوگر جیسے موذی مرض نے اس کے ابو کو اس سے دور کر دیا تھا۔ پہلے دونوں پاؤں کی انگلیاں کٹیں اور پھر دائیں ٹانگ کاٹنا پڑی ایسا نہ ہوتا تو شوگر کا اٹیک پورے جسم پر حملہ کر دیتا اور وہ جلد اس دنیا سے رخصت ہو جاتے۔ ڈاکٹرز نے ٹانگ کاٹ دی مگر ان کی طبیعت نہ سنبھل سکی اور رات کے آخری پہر اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ نماز جنازہ عصر کے وقت تھا۔ کراچی سے رشتے داروں کی آمد کی وجہ سے یہ وقت مقرر کیا گیا تھا تا کہ وہ آخری دیدار کر سکیں۔ شدید گرمی تھی اس لیے کاشان کے ابو کی میت سرد خانے میں رکھی گئی تا کہ ظہر کے بعد انہیں وہاں سے گھر لایا جائے۔

کرکٹ کھیلتا اسے دیکھ کر ہر آنکھ اشک بار تھی۔ اس کے چاچو اس کے پاس آئے اسے ساتھ لیا اور ایک دو رشتہ داروں کے ساتھ قریبی قبرستان گئے۔ قبر کھٹ سے ملے اور قبر کی جگہ بتائی۔ قبر کھٹ اس جگہ کھدائی کرنے لگا۔

''چاچو یہ آدمی اتنی گہرائی سے مٹی کیوں باہر نکال رہا ہے؟'' معصوم کاشان نے قبر کھٹ کو زمین سے مٹی نکالتے دیکھا تو چاچو سے سوال کیا۔

''بیٹا آپ کے ابو کا نیا گھر بن رہا ہے'' چاچو روہانسے لہجے میں بولے۔

''چاچو آپ امی تو کہہ رہی تھیں کہ ابو ہسپتال ہیں کیا وہ ہسپتال سے سیدھا اس نئے گھر میں آئیں گے'' اس کے اس سوال پر چاچو خاموش رہے۔ معصوم کاشان کے سامنے پھوٹ پھوٹ کر رو بھی نہیں سکتے تھے۔ اس کے سوال کا جواب ان کے پاس نہیں تھا۔

''نہیں چاچو میرے ابو میرے ساتھ اسی گھر میں رہیں گے میں ابو کو نئے گھر میں نہیں آنے دوں گا'' معصوم کاشان منہ بناتے ہوئے دوبارہ بولا۔

''بیٹا ان کا علاج اللہ جی اس گھر میں ہی کریں گے وہ جب ٹھیک ہو جائیں گے تو ہم واپس گھر لے جائیں گے تب تک آپ روزانہ انہیں ملنے آ جانا'' چاچو نے اس کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے سمجھایا۔

''چاچو یہ گھر تو بہت چھوٹا ہے ابو تو بہت موٹے اور بڑے ہیں یہاں کیسے رہیں گے؟'' کاشان نے ایک اور سوال داغا۔

''بیٹا جو یہاں رہتا ہے اس کا گھر اتنا ہی بنتا ہے'' چاچو نے اسے بتایا اور اسے ساتھ لے کر واپس گھر چل دیئے۔

عصر کے بعد کاشان کے ابو کی نماز جنازہ قریبی جنازہ گاہ میں تھی۔ جنازہ مسجد میں پہنچ چکا تھا۔ مسجد کے صحن میں کاشان کے ابو کا جنازہ رکھا گیا۔ کاشان ابو کے جنازے کے پاس بیٹھا ابو سے باتیں کرنے لگا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ ابو ہم آپ کو یہاں سے کراچی

لے جائیں گے وہاں سے آپ کو آپ کے نئے گھر میں لے جائیں گے بس آپ نئے گھر میں جلدی سے ٹھیک ہوجانا۔ ہر شخص اس کی معصوم باتیں سن کر دل ہی دل میں رو رہا تھا۔ سب لوگوں نے پہلے عصر کی نماز ادا کی ادا کی گئی ۔سینکڑوں لوگ شریک تھے ہر آنکھ اشک بار تھی، معصوم کاشان کو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ آخر ماجرا کیا ہے۔ ابو کو کیوں چارپائی پر لٹا کر لے جارہے ہیں۔ ہر فرد اسے کیوں گلے لگاتا، اسے پیار کرتا اس کے سر پر ہاتھ پھیرتا ہے۔ وہ معصوم کچھ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ لوگ ایسا کیوں کررہے ہیں۔ امی کیوں رو رہی ہیں۔ عورتیں امی کو کیوں چپ کرا رہی تھیں، ابو چارپائی پر کیوں سو رہے تھے، اسے سمجھ نہیں آرہی تھی۔ اس بیچارے کی عمر ہی اتنی تھی کہ اسے کیا سمجھ آتا۔ نا سمجھی کی عمر میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ چکا تھا۔

قبرستان میں کاشان کے ابو کی تدفین ہورہی تھی ایسے میں کاشان اپنے دادا کی قبر کے سرہانے بیٹھا اپنے چاچو سے کہہ رہا تھا کہ چاچو اچھا ہے ابو کے ساتھ یہاں دادا بھی ہیں دونوں باپ بیٹا اکھٹے رہیں گے تو اللہ میاں جلدی سے ابو کو صحت یاب کر دے گا۔

شدید گرمی میں ہر فرد پسینے سے شرابور ہورہا تھا۔ کاشان نے اپنے چہرے پر آیا پسینہ اپنے ننھے ہاتھوں سے صاف کیا اور کہنے لگا۔

”یہاں تو گرمی بھی بہت ہے، گھر میں اے سی لگا ہوتا تو یہاں لے آتا ابو کے نئے گھر میں لگا دیتا تاکہ ابو کو گرمی نہ لگے“

ان جملوں نے سب ہی افراد کے دل تڑپا دیئے تھے۔ ننھے کاشان پر انہیں پیار بھی بہت آرہا تھا اور ساتھ اس کی زندگی پر آئے طوفان پر رونے بھی لگے۔ تدفین کا کام مکمل ہوچکا تھا۔ قبر پر پھولوں کی پتیاں ڈالی گئیں۔ کاشان پھول دیکھتے ہی بولا ابو اپنے ابو کے لیے بھی گھنٹہ گھر چوک سے پھول لے آتے تھے اور آج ابو کے نئے گھر کی خوشی میں پھر پھول آگئے۔ دعا کے بعد لوگ واپس پلٹ رہے تھے۔ کاشان وہیں باپ کی قبر کے پاس بیٹھا ننھے ہاتھ اٹھائے دعا مانگ رہا تھا۔ لوگوں کے دیکھا دیکھی اس نے بھی ہاتھ دعا کے لیے اٹھائے تھے۔ لوگ جا چکے تھے اس کے چاچو نے اسے کہا چلو کاشان اب گھر چلتے ہیں“

”میں ابو کے نئے گھر میں رہوں گا یہاں ابو اکیلے ہیں“

کاشان کے جملے نے چاچو سمیت وہاں کھڑے ہر شخص کو ایک بار پھر رلا دیا۔

''ذرا سا پانی''

اقراء اعجاز

السلام علیکم امی ! حور نے اسکول سے واپس آ کر گھر میں داخل ہوتے ہی امی کو سلام کیا۔

۔'' وعلیکم السلام بیٹا۔۔آج اسکول میں دن کیسا گزرا؟

'' امی نے حور سے پوچھا۔''

کچھ نا پوچھیں امی آج تو مس نے اتنا سارا کام کروایا۔

۔آج کھانے میں کیا بنایا ہے آپ نے؟

'' حور نے امی سے پوچھا۔۔

'' بیٹا میں نے آج آپ کی پسند کی بریانی بنائی ہے۔

آپ جا کر ہاتھ منہ دھولیں،

پھر میں آپ کے لئے کھانا لگا دیتی ہوں

'' امی کی بات سن حور نے اسکول بیگ صوفے پر رکھا اور ہاتھ دھونے کے لئے چلی گئی۔۔

حور ہمیشہ کی طرح پورا نل کھول کر ہاتھ دھونے لگی۔

صابن سے ہاتھوں کو رگڑتے ہوئے بھی اس نے نل بند نہیں کیا۔ پانی مسلسل ضائع ہو رہا تھا۔۔حور کی امی نے پانی ضائع ہوتے دیکھا تو بولیں

'' بیٹا میں نے آپ کو اتنی دفعہ کہا ہے کہ ہاتھوں پر صابن ملتے وقت نل بند کر دیا کریں، لیکن آپ سنتی ہی نہیں ہیں۔۔ پانی ضائع ہوتا ہے اس سے بہت'' امی کی بات سن کر حور بولی'' امی اگر نل سے ''زرا سا پانی'' ضائع بھی ہو گیا تو کون سا ملک میں پانی کی قلت ہو جائے گی۔

۔ویسے بھی ٹنکی پوری فل بھری ہوئی ہے'' یہ کہہ کر حور کھانا کھانے کے لئے ٹیبل پر جا کر بیٹھ گئے۔۔حور کی امی نے گرما گرم بریانی اور پانی کا گلاس لا کر ٹیبل پر رکھ دیا اور کسی کام سے کچن میں چلی گئیں۔۔حور نے پانی پی کر دیکھا تو وہ گرم تھا۔

'' اوہو! پانی تو گرم ہو رہا ہے۔۔ایسا کرتی ہوں یہ پانی سنک میں ''پھینک'' کر فرج سے ٹھنڈا پانی پی لیتی ہوں' یہ سوچ کر حور اٹھی اور کچن میں جا کر گلاس سے سارا پانی سنک میں انڈیل دیا۔۔حور کی امی نے اسے پانی پھینکتے دیکھا تو بولیں'' بیٹا یہ تو میٹھا پانی تھا یہ آپ نے پھینک کیوں دیا؟'' ۔'' وہ امی پانی بہت گرم ہو رہا تھا اس لئے میں نے پھینک دیا'' ۔۔حور کی بات سن کر امی بولیں'

تو بیٹا آپ یہ پانی تھوڑی دیر فرج میں رکھ دیتیں ٹھنڈا ہو جاتا'' لیکن حور نے امی کی بات سنی ان سنی کر دی اور فرج سے ٹھنڈے پانی کی بوتل نکال کر دوبارہ ٹیبل پر جا کر بیٹھ گئی اور کھانا کھانے لگی۔۔حور کی امی اسے تاسف سے دیکھنے لگیں۔۔کھانا کھانے کے بعد حور نے ہوم ورک کیا اور پھر کوئی کہانی کی کتاب پڑھنے لگی۔۔

وہ ایک تپتا ہوا ریگستان تھا۔۔سورج پوری شدت کے ساتھ آگ برسا رہا تھا۔۔ پسینے اور گرمی سے حور کا دم گھٹ رہا تھا۔۔ پیاس سے اس کا برا حال تھا، پیاس کی شدت سے حلق میں جیسے کانٹے اگ آئے تھے۔

ہونٹ بلکل خشک تھے اور ان پر پڑیاں جم رہیں تھیں۔۔ وہ بار بار ہونٹوں پر زبان پھیر کر انہیں تر کرتی۔۔اس وقت حور کی نگاہیں صرف ایک ہی چیز ڈھونڈ رہیں تھیں اور وہ تھا ''پانی''۔۔لیکن اس تپتے ریگستان میں پانی کا ہونا ناممکن تھا۔۔اس کے ہاتھ میں پانی کا کٹورا تو تھا لیکن خالی۔۔وہ اس وقت کہیں سے پانی ملنے کی دعا کر رہی تھی۔۔سخت گرمی اور پیاس کی وجہ سے اس سے چلا نہیں جا رہا تھا۔ پیروں میں جیسے جان ہی نہیں تھی۔ اچانک اسے سامنے سے ایک اونٹ آتا ہوا دکھا اس اونٹ پر ایک آدمی سوار تھا۔

'' شائد اس کے پاس پانی ہو' حور نے سوچا۔۔وہ اونٹ اس کے قریب آ کر رک گیا اور اس پر سے وہ آدمی نیچے اترا آیا۔'' کیا آپ کے پاس پانی ہے؟'' حور کے منہ سے بمشکل آواز نکلی کیونکہ پیاس کی وجہ سے گلا سوکھ گیا تھا۔

'' ہاں ہے'' اس آدمی کی بات سن کر حور کے چہرے پر زندگی نظر آنے لگی۔'' مہربانی فرما کر مجھے پانی دے دیں۔۔ورنہ میں پیاس سے مر جاں گی'' حور نے روتے ہوئے کہا۔''ہونہہ ہو ! میں تمہیں پانی دوں لیکن کیوں ۔تم تو وہی ہو نا جو کہتی تھی کہ ''زرا سا پانی'' ضائع ہونے سے کیا ہو جائے گا۔۔اب پتا چلی ''زرا سے پانی'' کی اہمیت۔۔اگر تم ساری دنیا کی دولت بھی مجھے دے دو تب بھی میں تمہیں پانی نہیں دوں گا'' یہ کہہ کر وہ آدمی دوبارہ اونٹ پر سوار ہوا اور وہاں سے چلا گیا۔۔حور ریت پر گر سی گئی اور زور زور سے رونے لگی'' یا اللہ پلیز مجھے ایک موقع اور دے دیں۔۔میں ہمیشہ پانی کو ضائع کرتی رہی۔۔کبھی پانی کی قدر نہیں کی۔۔یا اللہ تعالی پلیز مجھے ایک موقع اور دے دیں میں وعدہ کرتی ہوں کہ آئندہ کبھی پانی ضائع نہیں کروں گی۔۔ہمیشہ تیری نعمت کی قدر کروں گی'' حور زور زور سے رونے لگی حور بیٹا !اٹھو حور بیٹا۔۔امی کی آواز سن کر حور نیند سے بیدار ہو گئے۔

۔'' اوہ تو یہ سب خواب تھا'' حور بولی۔''کیسا خواب بیٹا اور تم نیند میں زور زور سے رو کیوں رہی تھیں؟'' حور نے امی کو اپنا خواب سنایا تو امی بولیں'

دیکھا بیٹا میں تم سے کہتی تھی نا کہ پانی ضائع نہیں کرنا چاہئے۔اب تمہیں پتا چلی پانی کی اہمیت'''' جی امی' حور نے سر ہلایا۔۔اس دن کے بعد سے حور پانی کی قدر کرنے لگی اور جب کسی دوسرے کو پانی ضائع کرتے دیکھتی تو اسے بھی سمجھاتی کیونکہ اب اسے ''زرا سے پانی'' کی اہمیت سمجھ میں آ چکی تھی۔

خاموش انتقام

محمد سعد اسد

بس، اب بہت ہوگیا! اب مجھ سے یہ ظلم اور برداشت نہیں ہوتا۔ آہ۔۔۔ ریاضی کی کتاب کراہتے ہوئے بولی۔
بالکل ! احمد نے ہم سب کا بہت برا حال کر رکھا ہے۔ آہ میری جلد۔۔۔ معلومات عامہ کی کتاب نے ریاضی کی کتاب کی ہاں میں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔اوراس نے میرے صفحات کا برا حال کر رکھا ہے۔اردو کی کتاب نے دہائی دی تو انگریزی کی کتاب بولی: میں تو اس کا ناپسندیدہ مضمون ہوں۔ اس نے کئی بار مجھے زمین پر اچھال دیا ۔جس کی وجہ سے میری بھی جلد اکھڑ گئی ہے۔ میرے خیال میں احمد کو اس بات کی سزا ملنی چاہیے۔ بالکل ضرور ملنی چاہیے۔ باقی تینوں کتابیں بیک وقت بول اٹھیں۔ احمد بیٹا !اپنی سیٹ پر کھڑے ہوجاؤ اور جلدی سے سبق سنانا شروع کردو۔اردو کے سر نے کہا تو وہ فورا اٹھ کھڑا ہوا۔ اردو کی کتاب کھولی مگر یہ کیا!؟ وہاں پر تو کچھ بھی نہیں تھا ۔مگر یہ کیسے ممکن تھا۔کل شام تو اس نے سبق اچھی طرح سے اسی کتاب سے تیار کیا تھا مگر اب!!! سفید کاغذ اس کا منہ چڑا رہے تھے ۔تمام الفاظ اس کی کتاب سے غائب ہو گئے تھے۔اس نے سوچا کہ شاید وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہے۔اس نے اپنی آنکھیں ملنا شروع کر دیں ۔مگر اسے کچھ بھی نظر نہ آیا۔تمام کلاس حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی کہ اتنا آسان سبق احمد کیوں نہیں سنا پا رہا۔

وہ تیسری جماعت کا بہترین طالب علم تھا کیا ہوا احمد؟ سر نے پوچھا۔سر میری کتاب کے الفاظ غائب ہیں۔ساری کلاس ہنسنے لگی۔یہ کیا احمد!؟ اگر تم مجھ سے سچ بول دیتے کہ میں آج سبق یاد نہیں کیا تو میں تمہیں کچھ بھی نہ کہتا۔سر نے سوالیہ انداز اپناتے ہوئے کہا۔سر !میں جھوٹ نہیں بول رہا۔آپ خود دیکھ لیں۔احمد کتاب اٹھا کر سر کے پاس چلا گیا۔بیٹا یہ دیکھو !یہاں تو سب کچھ لکھا ہوا ہے۔سر نے کتاب پر ایک جگہ ہاتھ رکھا تو احمد نے وہاں دیکھا۔وہاں تو کیا !پورے صفحے بلکہ پوری کتاب پر کچھ نہیں تھا۔سر نے احمد کو جھوٹ بولنے پر سزا دی۔گرچہ وہ سچ بول رہا تھا مگر کسی نے اس کی بات کا یقین نہیں کیا۔گھر آکر اس نے کتابوں کو زور سے پٹخ دیا۔آج ہر سر نے کتابوں کی وجہ سے اسے ڈانٹ پلائی تھی۔ یہاں تک کہ ایک سر نے تو اسے دو ڈنڈے بھی رسید کیے۔دوسرے دن اور پھر تیسرے دن بھی یہی سب کچھ ہوا۔کسی نے بھی اس کی باتوں کا یقین نہیں کیا۔الٹا سب اس کا مذاق اڑاتے رہے تیسرے دن تو تقریبا تمام اساتذہ نے اسے کام چور کہنا شروع کر دیا۔اور ڈنڈے سے اس کی مرمت بھی کی۔

آج وہ سکول سے آتے ہی کمرے میں گھس گیا اور میز پر سر رکھ کر رونے لگا۔وہ سوچ رہا تھا کہ یہ سب اس کے ساتھ کیوں ہو رہا ہے۔تب اس کے کندھے پر کسی نے ہاتھ رکھا۔اس نے اپنا سر اٹھا کر دیکھا تو اس کی امی کھڑی تھیں ۔اس نے روتے روتے امی سے سب کچھ کہہ دیا۔اوہ! تو یہ وجہ تھی۔

میں بھی دو تین دنوں سے تمہیں اداس دیکھ رہی ہوں۔تو اس کا مطلب آپ کو میری بات پر یقین ہے۔احمد نے امی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ہاں ! کیوں نہیں لگتا ہے کتابیں تم سے کسی وجہ سے ناراض ہیں۔ بستے کے اندر موجود کتابیں یہ سن کر خوشی سے اچھلنے لگیں اور کھلی زپ سے باہر آن موجود ہوئیں ۔احمد کی امی نے کتابوں کی طرف دیکھا۔مجھے پتہ چل گیا ہے کہ کتابیں تم سے کیوں ناراض ہیں؟ احمد نے فورا پوچھا کیوں؟

کیوں کہ تم ان کا خیال نہیں رکھتے، ان کا احترام نہیں کرتے اور ان کو اچھالتے رہتے ہو۔امی کی بات سن کر احمد کا سر مارے شرم کے جھک گیا۔چلو سب سے پہلے ان کو جلد لگوا کر آ یہ کہہ کر احمد کی امی باہر چلی گئیں۔میری پیاری کتب اب سے میں تمہارا دھیان رکھوں گا ایک بار تو مجھے معاف کر دو۔احمد کی باتیں سن کر چاروں کتابوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا ،مسکرائیں اور پھر بیک وقت بولیں: پیارے احمد !جب تم اچھے بچے بن گئے ہو تو ہم سب بھی تمہارے ساتھ ہیں۔اچانک چاروں کتب کے صفحوں سے روشنی نکلنے لگی۔احمد نے ایک کتاب کھول کر دیکھی، تو پیارے پیارے الفاظ واپس آ چکے تھے ۔اس نے مسکرا کر چاروں کتابوں کو گلے سے لگا لیا۔

تیندوا

تیندوا یا لیپرڈ ، بلی کے خاندان کا رکن ہے ۔ ماہرین حیوانات اور پیشہ ور شکاریوں کی رائے میں یہ جانور ببر شیر کی طرح بارعب، شیر (ٹائیگر) کی طرح طاقتور اور چیتے جیسا چالاک اور پھرتیلا ہے۔

مضبوط جسم ، بڑا سر، چھوٹی ٹانگیں اور لمبی دم تیندوے کی خاص نشانیاں ہیں، اس کی کھال کا رنگ زرد، پیلا یا ہلکا بھورا ہوتا ہے، اللہ نے اسے ایک بہت بڑا اور مضبوط جبڑا دیا ہے ایک جوان تیندوے کا قد ڈھائی فٹ تک ہوتا ہے اس کی زیادہ سے زیادہ لمبائی ساڑھے 5 فٹ جبکہ وزن 90 کلوگرام تک ہوتا ہے، مادہ نر کے مقابلے میں چھوٹی اور کم وزنی ہوتی ہے۔

خوب صورت کھال

تیندوے کی کھال بڑی خوبصورت اور چمک دار ہوتی ہے اس کی سب سے بڑی خوبی سیاہ رنگ کے دائرہ کی طرح نشان ہیں۔

کیا آپ جانتے ہیں ؟

تیندوا، براعظم جنوبی امریکا کے جنگلات میں ملنے والے ایک جانور جیگوار(Jaguar) سے بہت ملتا جلتا ہے۔ تاہم جیگوار کی کھال پر تیندوے کے مقابلے میں کم نشان ہوتے ہیں۔

ملتا کہاں ہے ؟

تیندوا، افریقا اور ایشیاء کے بارانی جنگلات، گھاس کے میدانوں، صحرائی اور نیم صحرائی علاقوں میں پایا جاتا ہے، اس کی زیادہ تعداد افریقا میں موجود ہے تیندوا بڑا سخت جان جانور ہے ، یہ سخت گرمی اور سردی برداشت کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور صحرائی علاقوں میں یہ کئی دن تک بھوکا رہ سکتا ہے۔

تاریخ بولتی ہے

آج سے 2 ہزار سال پہلے تیندوا دنیا کے تقریباً ہر خطے میں موجود تھا یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر کے قدیم ادب میں اس کا ذکر ملتا ہے۔

برطانیہ کے بادشاہ جان نے لندن کے ٹاور میں کئی تیندوے پال رکھے تھے۔

1235ء میں رومی بادشاہ فریڈرک نے 3 تیندوے برطانوی بادشاہ کو تحفے میں بھیجے تھے، آج بھی دنیا کے کئی ممالک کے قومی نشانات پر تیندوے کی شبیہ موجود ہے۔

رہن سہن

تیندوا تنہا رہنا پسند کرتا ہے، یہ شکار کرنے کے بعد کسی درخت کی اونچی شاخ پر آرام کرتا ہے۔ نر تیندوا شیر کی طرح ایک مخصوص علاقے میں اپنا ٹھکانا بنا لیتا ہے اور پھر وہیں شکار کرتا ہے۔ وہ اس علاقے میں کسی اور جانور خاص طور پر کسی دوسری تیندوے کی موجودگی برداشت نہیں کرتا، اگر وہاں کوئی اور تیندوا آجائے تو زبردست لڑائی چھڑ جاتی ہے اور کسی ایک کو بھاگنا پڑتا ہے۔

شکار کا طریقہ

تیندوا، بندر، لومڑی، گیدڑ اور ہرن کا شکار بڑے شوق سے کرتا ہے تا ہم اگر اسے یہ جانور نہ ملیں تو چھوڑے جانوروں مثلاً خرگوش اور بڑے چوہے کھا کر بھی گزارہ کر لیتا ہے۔اس کے علاوہ اس جانور کو یہ کمال حاصل ہے کہ یہ بڑی ہوشیاری سے ببر شیر اور چیتے وغیرہ کا شکار چرا کر بڑی پھرتی سے درخت پر چڑھ جاتا ہے تیندوا زیادہ تر شکار پر اس کی بے خطری میں حملہ کرتا ہے اور اس کی گردن دبوچ کر اسے بے بس کر دیتا ہے تیندوا اپنے شکار کے پیچھے 60 کلومیٹر فی گھنٹا کی رفتار سے بھاگتا ہے اور 20 فٹ لمبی چھلانگ لگا سکتا ہے۔اس کے علاوہ یہ شیر کی طرح پانی میں بھی بری تیزی سے تیر لیتا ہے۔

افریقی تیندوا
African Leopad

گہری پیلی یا سنہری کھال اس تیندوے کی سب سے نمایاں نشانی ہے ۔ کئی افریقی علاقو ں میں بھوری کھال والے تیندوے بھی پائے جاتے ہیں اس کے سر اور پیٹ پر، باقی جسم کی نسبت زیادہ نشان ہوتے ہیں اس کا وزن 90 کلو گرام تک ہوتا ہے، جنوبی افریقا میں ملنے والا افریقی تیندوا عام افریقی تیندوے سے کچھ مختلف ہوتا ہے اور اس کا وزن بھی خاصا کم ہوتا ہے افریقی تیندوا زیادہ آبادی اور جنگلات کی کٹائی کے باعث اب بہت کم رہ گیا ہے۔

بھارتی تیندوا
Indian Leopard

بھارتی تیندوا بھارت ، نیپال ، بھوٹان ، بنگلہ دیش اور پاکستان کے پہاڑی علاقوں میں پایا جاتا ہے چھوٹے کان اور کھال پر گہرے گول نشان اس کی اہم خوبیاں ہیں ، یہ 4 فٹ 2 انچ تک لمبا اور 77 کلو گرام تک وزنی ہوتا ہے۔

آمور تیندوا
Amur Leopard

یہ تیندوا جنوب مشرقی روس اور شمالی چین کے علاقوں میں ملتا ہے اسے مشرق بعید کا تیندوا بھی کہتے ہیں ۔ اس کی تعداد دنیا میں بہت کم ہے ایک اندازے کے مطابق اس وقت صرف 30 کے لگ بھگ آزاد آمور تیندوے جنگلوں میں موجود ہیں۔

اس کی کھال زیادہ موتی اور پیلے رنگ کی ہوتی ہے۔اس کی زیادہ سے زیادہ لمبائی ساڑھے 4 فٹ اور وزن 48 کلو گرام تک ہوتا ہے۔

کالے تیندوے سے ملیے !

یہ تیندوے کی وہ قسم ہے جس کا رنگ کسی تبدیلی کے باعث بالکل سیاہ ہو جاتا ہے یا اس پر گہری سیاہ لکیریں بن جاتی ہیں ۔ ایسے جانور کو انگریزی میں بلیک پینتھر کہا جاتا ہے

اس تیندوے کو ہمارے ہاں کالا چیتا بھی کہتے ہیں مگر اس کا چیتے سے کوئی تعلق نہیں۔

عربی تیندوا
Arabian Leopard

یہ تیندوا جزیرہ نمائے عرب اور مصر کے صحرائی و نیم صحرائی علاقوں میں پایا جاتا ہے یہ تیندوے کی سب سے چھوٹی قسم ہے، اس کی عادات افریقی تیندوے سے ملتی جلتی ہیں ۔ یہ صرف 30 کلوگرام وزنی اور 4 فٹ لمبا ہوتا ہے ہلکی پیلی یا بھوری رنگت اس کی خاص نشانی ہے ایک زمانے میں یہ تیندوا پورے عرب کے علاوہ یمن اور عرب امارات میں بھی موجود تھا مگر آج اس کی بہت کم تعداد صحراؤں میں موجود ہے۔

برفانی تیندوا
Snow Leopard

ماہرین حیوانات اسے ایک الگ قسم شمار کرتے ہیں تا ہم یہ کئی لحاظ سے تیندوے سے ملتا جلتا جانور ہے۔ برفانی تیندوے کو بھی عام لوگ برفانی چیتا کہتے ہیں، حالانکہ یہ تیندوے کی ایک قسم ہے برفانی تیندوا روس ، چین ، افغانستان اور پاکستان کے پہاڑی علاقوں میں پایا جاتا ہے۔ برفانی تیندوا 6 ہزار میٹر بلند چوٹیوں میں پایا جاتا ہے یہ شدید برف باری برداشت کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اپنے چوڑے پنجوں کی مدد سے 33 انچ گہری برف پر آسانی سے چل پھر سکتا ہے، اس کی کھال زرد رنگ کی ہوتی ہے اس پر سلیٹی رنگ کے لمبے اور گھنے بال ہوتے ہیں اس کے کان گول اور چھوٹے ہوتے ہیں سر بھی چھوٹا ہوتا ہے برفانی تیندوا 4 فٹ تک لمبا اور 75 کلوگرام تک وزنی ہوتا ہے اس کی دم کی لمبائی بعض اوقات 4 فٹ تک پہنچ جاتی ہے۔

اس برس قربانی

اسماعامر

آج صبح عرشمان ناشتہ کرنے میں مصروف تھا کہ کچھ یاد آنے پر اِس نے سر اٹھا کر اپنے سامنے بیٹھے بابا کی طرف دیکھا جو اخبار پڑھنے پڑھ رہے تھے۔ "ابو اِس برس ہم قربانی کریں گے نا؟ "عرشمان نے بہت آس سے سوال کیا۔ "ان شااللہ "باپ نے اپنے سامنے سے اخبار ہٹایا اور مسکرا کر جواب دیا۔بکرعید کے دن قریب آرہے تھے۔

آئے دن گلی محلے میں کسی نا کسی گھر میں کوئی جانور آتا تو اپنے گھر میں بھی جانور دیکھنے کی خواہش نے عرشمان کے دل میں سر اٹھایا۔ وہ جانتا تھا کہ ابو کی جیب جانور خریدنے کی اجازت نہیں دیتی لیکن ابو کا جواب اپنی توقع کے برعکس پا کر وہ بہت خوش ہوا۔

عرشمان کے ابو معمولی تنخواہ کے عوض ملازمت کرتے تھے۔لیکن وہ ہر ماہ اس قلیل رقم میں سے کچھ حصہ بچا لیتے جو ضرورت پڑنے پر ان کے کام آجاتا۔

اِس بار بچت کے پیسے کہیں بھی خرچ کرنے کا موقع نہیں ملا تھا لیکن آج صبح ناشتے کی میز پر عرشمان نے جِس آس اور امید سے قربانی کا پوچھا تو فراز صاحب نے اِس برس قربانی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ "چلیں جلدی جلدی ناشتہ کریں، دیر ہو رہی ہے "ابو نے بہت پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ناشتہ کرنے کے بعد دونوں اپنا اپنا بستہ لیے بیرونی دروازے کی طرف چل دیے۔

"السلام علیکم فراز انکل ! کیسے ہیں آپ؟ "فراز صاحب اپنی موٹر سائیکل سٹارٹ کرنے لگے تو سامنے سے آتے فائق نے بائک پر بیٹھے عرشمان کے گال پر پیار کرتے ہوئے فراز صاحب کو سلام کیا۔ "وعلیکم السلام !الحمداللہ کرم ہے اللہ کا آپ سنائیں؟ کیسی طبیعت ہے آپا کی؟ "فراز صاحب نے خوش اسلوبی سے جواب دیا اور فائق کی امی کا حال پوچھا جو پندرہ دن پہلے گلے کا آپریشن کروا کر آئیں تھیں۔

"اللہ کا کرم ہے اب پہلے سے کافی بہتر ہیں۔ "فائق نے تسلی بخش جواب دیا۔ "اچھا تو بڑے میاں یہ بتائیں کہ آج کل آپ یونیورسٹی نہیں جا رہے؟ کیا ڈگری مکمل ہو گئی ہے؟ "فراز صاحب اور فائق یونیورسٹی کے لیے اکثر اکھٹے ہی نکلا کرتے تھے لیکن پچھلے تین چار دنوں سے وہ یونیورسٹی نہیں جا رہا تھا تو فراز صاحب نے پوچھ لیا۔

"ارے نہیں فراز انکل ابھی ڈگری مکمل نہیں ہوئی یہ آخری سمسٹر ہے اور اگلے ہفتے امتحانات ہونے والے ہیں۔ "فائق نے کچھ بجھے بجھے انداز میں تفصیل بتائی۔

" کیا بات ہے؟ آپ کچھ پریشان لگ رہے ہیں؟ کوئی مسئلہ ہے؟ "فراز

صاحب نے اِس کے لہجے میں چھپی پریشانی بھانپ لی تھی۔"نہیں انکل بس وہ فیس کا کچھ مسئلہ ہے اس لیے کچھ پریشان ہوں۔مگر میں نے اپنے باس سے بات کی ہے کچھ نا کچھ ہو جائے گا۔آپ پریشان نہ ہوں"۔
اس نے مسکرا کر اپنی پریشانی بتائی اور جلد از جلد اس کے حل ہونے کی اطلاع دے کر انہیں پریشان ہونے سے بھی باز رکھا۔عرشان بائک پر بیٹھا اِن کی باتیں سن رہا تھا۔"ایک دفعہ میری بھی فیس لیٹ ہوگئی تھی تو سر نے مجھے کلاس سے باہر نکال دیا تھا تو فائق بھائی کو بھی اِن کے سر نے کلاس سے باہر نکال دیا ہوگا"،عرشان نے اپنے دل میں سوچا۔"اللہ بہتر کرے گا"،فراز صاحب نے کچھ سوچتے ہوئے اس کے کندھے پر تسلی سے ہاتھ پھیرا اور فائق اپنے گھر کی طرف چل دیا۔
برسوں سے فائق،فراز صاحب کے پڑوس میں رہائش پزیر تھا۔فائق کے ابو بچپن میں ہی فوت ہو گئے تھے۔اس کی امی نے محنت کر کے اسے پالا تھا۔لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مہنگائی بڑھتی گئی جب آمدنی کے بڑھنے کی کوئی صورت نہ نظر آئی تو فائق نے اپنی پڑھائی کے ساتھ ساتھ ایک سپر سٹور میں نوکری کر لی۔فائق کی امی ہاتھ روک کر گھر کا خرچہ چلاتیں لیکن ان کی بیماری نے حالات کو اور بھی مشکل بنا دیا۔فائق نے جو پیسے اپنی فیس کے لیے جمع کیے تھے وہ اپنی امی کے آپریشن پر لگا دئے۔اپنے باس سے بات کی کہ مہینے بھر کی تنخواہ پہلے ہی دے دیں یونیورسٹی کی فیس بھرنی ہے لیکن کوئی امید نظر نہ آنے پر دوبارہ بات نہ کی۔"ابو جان!!ہمیں فائق بھائی کی مدد کرنی چاہیے،کوئی بات نہیں،ہم اگلے سال کرلیں گے قربانی،آپ اگر بکرے کے پیسوں سے فائق بھائی کی فیس ادا کر دیں گے تو فائق بھائی کو فیس نہ جمع کروانے کی وجہ سے کلاس سے باہر تو کھڑا نہیں ہونا پڑے گا نا"،ننھا عرشان باپ کے چہرے پر پریشانی دیکھ کر بڑی سمجھداری سے بولا۔
"جی بلکل ہمیں اپنے ہمسائیوں کا خیال رکھنا چاہیے"، فراز صاحب نے اس کی سمجھداری پر مسکرا کر جواب دیا۔وہ بہت خوش ہوئے کہ ان کا بیٹا بہت سمجھدار ہو گیا ہے۔شام میں دفتر سے واپس آ کر فراز صاحب عرشان کے ہمراہ فائق کے گھر گئے۔"السلام علیکم فراز انکل"! فائق نے دروازہ کھولا تو فراز صاحب کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔"وعلیکم السلام! آپا گھر پر ہیں؟؟"فراز صاحب نے رسما پوچھا۔
"جی جی آپ اندر آیئے"وہ گھر میں داخل ہوئے تو پیچھے پیچھے چھوٹا عرشان بھی ساتھ ہی داخل ہو گیا۔
کچھ دیر بیٹھ کر فائق کی امی کا حال احوال پوچھا اور پھر اٹھ کھڑے ہوئے۔"اچھا آپا اب اجازت دیجیے"احتراما کھڑے ہو کر انھوں نے اجازت طلب کی اور عرشان کا ہاتھ تھام لیا۔وہ کمرے سے باہر نکلے تو فائق بھی اِن کو رخصت کرنے کیلیے پیچھے ہولیا۔گھر سے نکلتے وقت فراز صاحب نے جب فائق سے مصافحہ کیا تو ایک کاغذ فائق کے ہاتھ میں تھما دیا۔"ارے یہ کیا ہے؟" فائق نے ہاتھ میں پکڑی پرچی کو حیرت سے دیکھا۔
"آپ فکر نہ کریں! فیس جمع ہو گئی ہے یہ فیس جمع کروانے کی رسید ہے اِس کو سنبھال لیں،تاکہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آئے۔"فراز صاحب نے تسلی بھرے انداز میں اِس کا کندھا تھپتھپایا۔دروازے میں بت بنا فائق ہاتھ میں پرچی تھامے اس شخص کی نیکی پر آبدیدہ ہو گیا۔فراز صاحب نے بڑے فخر سے عرشان کی طرف دیکھا۔جھک کر اس کی پیشانی چومی اور گھر کی دہلیز عبور کر گئے۔

کوپن برائے بھائی جان

نام ________________ کلاس ____________

پتہ ______________________________

رابطہ نمبر ___________________________

سوال ______________________________

____

کوپن برائے گلدستہ

نام ______________ کلاس ____________

پتہ ______________________________

رابطہ نمبر ___________________________

اچھی بات ___________________________

____

"خدانخوستہ"

دو دوست صبح اسکول جا رہے تھے ۔ایک دوست دوسرے سے بولا:

"یہ سکہ اوپر کی طرف پھینکوں گا۔اگر چاند آیا تو چڑیا گھر چلیں گے،اگر پشت آیا تو سرکس،اور اگر خدانخواستہ سیدھا کھڑا ہو گیا تو اسکول چلے جائیں گے۔"

مرسلہ: محمد احسن، بنوں

☆☆☆

"سخت سزا"

بیٹا (باپ سے): "ابو ....! آج مجھے اسکول میں سخت سزا ملی۔"

باپ حیرت سے: "وہ کیوں؟"

بیٹا: "آج اسکول میں لیٹ گیا تھا۔"

باپ (غصے سے): "نالائق کہیں کے ....! میں تمھیں اسکول پڑھنے کے لئے بھیجتا ہوں لیٹنے کے لئے نہیں۔"

مرسلہ: برہان اسلم، کراچی

☆☆☆

"جملہ"

اُستاد (شاگرد سے): "ململ کو جملے میں استعمال کرو۔"

شاگرد: "ہمیں خوب ململ کر نہانا چاہیے۔"

مرسلہ: روحان محمود، لاہور

☆☆☆

"بستہ"

ایک گھر میں چور چوری کر رہا تھا کہ چانک ایک چھوٹا سا بچہ جاگ گیا۔ چور نے بچے کو دیکھ کر بچے کو چاکو دیکھایا اور کہا: "خاموش ....! اگر شور مچایا ماردوں گا۔"

بچے نے سرگوشی میں کہا: "میرا اسکول کا بستہ بھی لے جاؤ ورنہ میں شور مچادوں گا۔"

مرسلہ : بلال محمود، کراچی

☆☆☆

"جوتے"

ایک اسکول میں نرسری کی استانی بیسویں بچے کو جوتا پہنا رہی تھیں، جھکے جھکے استانی کی کمر میں درد ہونے لگا۔ بیسواں بچہ شرمیلا تھا۔ جب استانی جوتا پہنا چکی تو بچہ بڑے سکون سے بولا: یہ جوتے میرے نہیں ہیں"

استانی کا جی چاہا کہ وہ رودے مگر خود پر قابو پا کر بچے کے جوتے اتارنے لگی۔ جوتے اتار کر کمر سیدھی کی تھی کہ بچہ بولا:

"یہ جوتے میرے بھائی کے ہیں، مگر امی نے کہا تھا آج تم یہی پہن کر چلے جاؤ۔"

مرسلہ: أسید خانزادہ، لاہور

☆☆☆

"غیر حاضر"

آٹھ سالہ پپو کو اسکول جانے کا بہت شوق تھا۔ جبکہ اُس کی چھ سالہ بہن فرح کو اسکول سے نفرت تھی۔ اسکول سے آنے کے بعد بھی پپو اپنی بہن سے فرمائش کرتا رہتا: "آؤ سکول سکول کھیلتے ہیں۔" لیکن وہ انکار کر دیتی، آخر ایک روز وہ مان گئی اور کہا:

"ٹھیک ہے ہم سکول سکول کھیتے ہیں، لیکن میں آج سکول سے غیر حاضر ہوں۔"

مرسلہ: منیب احمد، کوئٹہ

☆☆☆

"گدھے"

ایک دفعہ ایک بچہ اسکول میں تقریر کر رہا تھا، جب وہ تقریر کر کے واپس آیا تو اپنے دوست سے کہنے لگا: "یار........ یہ سب سننے والے گدھے ہیں۔"

دوست نے جوب دیا: "اسی لئے تم ان سب کو بھائی بھائی کہہ کر مخاطب کر رہے تھے۔"

مرسلہ: ارمغان صدیقی، اکبر پورہ

☆☆☆

"امتحان گاہ"

استاد کسی ایسی جگہ کا نام بتاؤ۔ جہاں بہت ساری لوگوں کے ہونے کے باوجود آپ خود کو تنہا محسوس کرتے ہو؟

بچہ: کمرہ امتحان

مرسلہ: فائز اقبال، اکوڑہ خٹک

☆☆☆

"شوق"

ایک آدمی اپنے بچے کو ماسٹر صاحب کے پاس لے گیا اور بچہ کو پڑھانے کی درخواست کی

استاد نے پوچھا: اسے پڑھنے کا شوق ہے بھی کہ نہیں؟

آدمی نے کہا: پڑھنے کا شوق تو اتنا ہے کہ ہر کلاس میں تین سال پڑھتا ہے۔

مرسلہ : بلال نصیر، چارسدہ

☆☆☆

مصباح ناز

ولید اسکول سے نکلا اور سیدھا اپنے ابو کی دوکان کی طرف بھاگنے لگا۔ اسکی امی نے اسے آواز بھی لگائی مگر ولید آج بے حد خوش تھا۔ وہ گھر جانے سے پہلے یہ خبر ابو اور اپنے بڑے بھائی وسیم کو سنا کر ہی گھر جانا چاہتا تھا۔ ولید کے نا سننے پر امی نے اسے پیچھے سے آواز دے کر کہا کہ وہ گھر جا رہی ہیں۔ دوکان سے ہو کر وہ سیدھے گھر آ جائے۔ ولید نے اچھا امی کہہ کر دوکان کا رخ کر لیا۔ ولید کے ابو کی دوکان محلے میں ہی تھی۔ یہی وہ لوگ رہتے تھے اور اسکول بھی پاس میں ہی تھا۔ ولید اپنی پوری بتیسی چہرے پر سجائے دوکان میں داخل ہوا۔ جہاں اس وقت اسکے ابو اور بھائی گاہکوں کے ساتھ مصروف تھے۔ ابو ابو۔۔۔

بھائی دیکھیں میرا آٹھویں جماعت کا آج نتیجہ نکل آیا۔ میں اپنی جماعت میں اول آیا ہوں۔

ولید نے بیحد پرجوش انداز میں کہا۔ ارے واہ یہ تو خوشی کی بات ہے۔ مجھے یقین تھا تم ضرور اول ہی آؤ گے۔ تم نے اتنی محنت جو کی تھی۔ وسیم نے ولید کو داد دی اور اسکی رپورٹ کارڈ ہاتھ میں لے کر دیکھنے لگا۔ تب ہی ابو نے پھیکے لہجے میں کہا، وسیم اس وقت کرنے کے لیے اور بھی ضروری کام ہیں۔ یہ فضول کام بعد میں بھی ہوتے رہیں گے۔

پہلے گاہکوں کو دیکھو۔۔ ابو نے ولید کی بات تو ان سنی کر دی اور ساتھ ساتھ وسیم کو بھی ڈانٹ دیا۔ ولید کا چہرہ اس بات سے اتر گیا اور وہ رپورٹ کارڈ لیے گھر کو واپس آ گیا۔ گھر میں امی اسکے لیے اسکی پسندیدہ کھیر تیار کر رہی تھی۔ ولید کا اترا چہرہ دیکھ کر امی نے اس سے وجہ دریافت کی تو ولید نے ابو کا یہ روکھا سا رویہ بیان کیا۔ امی نے اسے کہا کہ اسے اداس ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ جانتا ہے اس کے ابو تعلیم جیسی چیز میں دلچسپی نہیں رکھتے۔ نا تو انھوں نے خود تعلیم حاصل کی۔ اور نا ہی تمہارے بھائی وسیم کو اسکول جانے دیا۔

ولید کو بھی اسکی امی نے ضد کر کر کے اسکول بھیجا تھا۔ آخر ابو ایسے کیوں ہیں امی۔ ولید نے منہ لٹکاتے ہوئے کہا۔ امی نے مزید کچھ نا کہا بس ایک آہ بھری تو ولید اپنا سا منہ لیے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ شام کو بھائی وسیم اور ابو گھر آئے۔ ولید کو لگا شاید اب ابو اس سے رپورٹ کارڈ مانگیں گے اور اسکے نمبر دیکھ کر اس کو داد دیں گے۔

پر ایسا نا ہوا۔ ابو گھر میں داخل ہوئے اور روز کی طرح جو سامان امی نے منگوایا تھا۔ وہ انکے ہاتھ میں تھمایا اور اپنے کمرے میں منہ ہاتھ دھونے چلے گئے۔ دیکھو ولید یہ چاکلیٹ تمہارے لیے۔ میں نے اپنی تنخواہ سے لی ہے۔ جو مجھے ہر مہینے ابو دوکان پر کام کرنے پر دیتے ہیں۔ یہ تمہارے امتحان میں اچھے نمبروں پر انعام ہے۔ وسیم بھائی نے ابو کے جاتے ہی کہا اور ابو واپس آئیں اس سے پہلے انہوں نے ولید کو ہدایت دی کے اس کو اپنے کمرے میں چھپا آئے۔ ولید نے ایسا ہی کیا۔ سب کھانے کی میز پر موجود تھے۔

ولید نے امی کو انکھوں ہے آنکھوں میں اشارہ کیا۔ یہ اشارہ اس لیے کیا گیا تھا کہ امی ابو سے ولید کے اگلی جماعت میں ایڈمیشن کی بات کریں۔ امی نے کھانے میں آج ابو کی پسند کی مکس سبزی پکا رکھی تھی۔ امی نے کھانے سے بات شروع کی کہ آج کھانا کیسا بنا ہے۔ اس پر بھی ابو نے روکھے سے انداز میں کہہ دیا کہ جیسا روز بنتا ہے۔ اس

جواب سے یہ تو اندازہ ہو گیا کہ ابو کا موڈ کچھ اچھا نہیں ہے۔کھانا ختم کر کے ابو نیوز چینل لگا کر بیٹھ گئے۔

ولید کچن میں برتن دھوتی ہوئی امی سے شکایت کرنے لگا تو امی نے کہا کہ وہ رات کو بات کریں گی کسی طرح۔ولید اور وسیم اپنے کمرے میں چلے گئے۔وہ دونوں ایک ہی کمرے میں سوتے تھے۔ابھی وہ بیٹھے باتیں ہی کر رہے تھے کہ ٹی وی لانج سے اونچی اونچی آوازیں آنے لگی۔جا کر پتا چلا کہ ابو ولید کو بھی اب وسیم کی طرح دوکان پر بیٹھانا چاہتے ہیں۔ولید کا چہرا اتر گیا اور وہ کچھ کہے بغیر ہی کمرے میں آ گیا۔صبح ولید بھی ابو اور وسیم بھائی کے ساتھ دوکان پر پہنچ گیا۔مگر وہ کچھ کھویا کھویا اداس اور پریشان تھا۔وسیم بھائی کو اسکی اس اداسی کی وجہ معلوم تھی۔ابو دوکان سے باہر کسی کام سے گئے تو وسیم بھائی ولید کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔میں نے ساری رات بہت سوچا لیکن مجھے صرف اس مسئلے کا ایک ہی راستہ سوجھا ہے۔وسیم بھائی نے کہا۔میں کچھ سمجھا نہیں بھائی آپ کس بارے میں بات کر رہے ہیں۔

ولید نے حیرت سے انہیں دیکھا۔تمہاری تعلیم کے متعلق بات کر رہا ہوں۔وسیم بھائی بولے۔رہنے دیں بھائی۔ابو سے بات کرنا فضول ہے۔میری وجہ سے وہ پھر امی سے بھی لڑائی کریں گے۔گھر کا ماحول خراب ہو گا۔ولید نے منہ پھیر لیا۔تب وسیم بھائی نے اسے ایک ترکیب بتائی کہ وہ چاہے تو گھر پر بھی تعلیم حاصل کر سکتا ہے۔گھر پر امتحان کی تیاری کرے اور پھر جا کر امتحان دے آئے۔اگر وہ واقعی ہی تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے کوئی بھی چیز اس سے روک نہیں سکتی۔

وسیم بھائی کی یہ جاندار باتیں سن کر ولید کو حوصلہ اور ہمت ملی۔شام میں ابو کو وسیم بھائی نے دوکان سے جلدی گھر بھیج دیا کہا کہ وہ اور ولید دوکان بند کر لیں گے۔دوکان بند کرنے کے بعد وہ محلے میں رہنے والی باجی تبسم کے گھر آئے۔باجی تبسم بہت عرصے سے گھر میں ٹیوشن پڑھاتی تھی۔انہوں نے سارا معاملہ انکے سامنے رکھ دیا۔باجی تبسم نے کہا کہ وہ سب کام دیکھ لیں گی۔ایڈمیشن کیسے بھیجنا ہے وغیرہ۔اگلی جماعت کے لیے استعمال شدہ کتابیں بھی وہ ایک بچے سے لے کر ولید کو دے دیں گی۔جو سمجھ میں نا آئے وہ ولید باجی سے جب چاہے آ کر سمجھ لے۔ولید تو خوشی سے پھولے نہیں سما رہا تھا۔انہوں نے باجی تبسم کا شکریہ ادا کیا اور گھر آ گئے۔اب اس بات کی خبر یا تو بھائی وسیم کو تھی یا پھر امی کو۔ولید ساری رات پڑھتا اور صبح تھوڑی دیر سے دوکان پر چلا جاتا۔

یہ بھی وسیم بھائی نے ابو سے بات کی کہ ولید ابھی چھوٹا ہے اور صبح اتنے گاہک نہیں ہوتے تو وہ تھوڑی دیر میں آ جائے۔جب امتحان کا وقت آیا تو ولید کی بیماری کا بہانہ کر کے اسے امتحان دلوائے۔وقت گزرتا گیا اور ولید نے دسویں بھی پاس کر لی۔دسویں جماعت میں ولید اپنے پورے علاقے میں سب سے زیادہ نمبر لے کر پاس ہوا تو یہ خبر چھپ نا پائی اور اڑتی ہوئی ابو کے کانوں میں پہنچ ہی گی۔بس پھر کیا گھر میں طوفان آ گیا۔ابو سب سے خفا تھے کہ انہیں بتائے بغیر سب نے انکے خلاف یہ کام کیا ہے۔

سب نے ابو کو سمجھانے کی کوشش کی کہ یہ کوئی برا کام نہیں۔پر ابو نے کہا کہ ولید مزید اگر پڑھنے کی ضد نہیں چھوڑے گا تو میں اسے گھر سے نکال دوں گا۔بس کر دیں ابو میں جانتا ہوں کہ آپ یہ سب اس لیے کر رہے ہیں۔کیونکہ آپ نے تعلیم حاصل نہیں کی۔آپ کو دادا جان نے تعلیم حاصل کرنے سے روکا۔ایسے ہی آپ کو بھی دوکان پر بیٹھا دیا گیا تھا۔جب کے چاچو نے چھپ کر تعلیم حاصل کی اور اب وہ بڑے شہر میں اپنے گھر والوں کے ساتھ رہتے ہیں۔آپ ان سے حسد کرتے ہیں اور اسی حسد میں ہمیں بھی جلا رہے ہیں۔آپکی وجہ سے میں بھی تعلیم حاصل نہیں کر پایا۔

وسیم بھائی نے نا جانے کتنے سالوں کی بھڑاس آج باہر نکال دی۔کیا ہمارے کوئی چاچو بھی ہیں۔ولید نے حیرانگی سے سوال کیا۔ابو جو یہ سب خاموشی سے سن رہے تھے اب بول اٹھے،تمہیں لگتا ہے میں اپنے بھائی سے حسد کرتا ہوں۔ایسا نہیں ہے۔فرقان نے ابا جی سے چھپ کر تعلیم حاصل کی اور اسکے بعد وہ یہاں سے چلا گیا کبھی مڑ کر ابا جی اور نا میری خبر لی۔مجھے یہ لگے لگا کہ ابا جی ٹھیک کہتے تھے کہ تعلیم اچھی نہیں۔تعلیم نے مجھ سے میرا بھائی چھین لیا۔

میں تم دونوں کو بھی کھونا نہیں چاہتا تھا۔مجھے لگتا تھا کہ اگر تم دونوں نے بھی تعلیم حاصل کر لی تو تم لوگ بھی ہمیں چھوڑ کر کسی بڑے شہر میں چلے جاؤ گے۔اور بعد میں اپنے ان پڑھ باپ کو پہچاننے سے انکار کر دو گے۔جیسا فرقان نے کیا تھا۔ابا جی جو اسے ڈھونڈنے شہر اسکے پیچھے گئے تو اس نے سب کے سامنے کہا کہ وہ انہیں نہیں جانتا۔ابو کہتے چلے گئے اور انکی آنکھوں سے آنسوں بہہ بہہ کر زمیں بوس ہوتے رہے۔بھائی وسیم شرمندہ سے کھڑے تھے۔ولید بھی اب رو دینے والا تھا۔امی بھی خاموش تھی کہ ولید نے آگے بڑھ کر ابو کو گلے سے لگا لیا۔میں ایسا نہیں کروں گا۔بلکہ ہم سب یہیں رہیں گے۔میں تو اس محلے میں استاد بننا چاہوں گا۔آپ مجھ پر بھروسہ کر سکتے ہیں۔میں وعدہ کرتا ہوں۔ولید نے کہا۔وقت گزرتا گیا اور ولید نے خود بھی تعلیم حاصل کی اور ساتھ ساتھ وسیم بھائی اور ابو کو بھی گھر میں پڑھانا شروع کر دیا۔اب اپنے وعدے کو پورا کرنے کا وقت آ گیا تھا۔ولید کی تعلیم مکمل ہوئی اور وہ اسی محلے کہ ایک اسکول میں استاد لگ گیا۔جبکہ وسیم بھائی نے دوکان کو پوری طرح سنبھال لیا اور اپنے ساتھ ایک کام کے لیے لڑکا رکھ لیا۔ابو کو اب دوکان پر بھی کام نا کرنا پڑتا۔وہ بے حد خوش تھے کہ انکے بیٹے نے انکے وعدے کا مان رکھا۔

”روبوٹ کا خوف“

ابن یوسف

ایک بوسیدہ اور خستہ حال چھوٹی سی دکان میں ایک بوڑھا کرسی پر براجمان انسانی ربوٹ پر جھکا ہوا تھا۔ بوڑھے کے چہرے پر جھریاں نمایاں تھیں۔ بالوں اور داڑھی کی سفیدی اس کے بڑھاپے اور عمر کو واضح کر رہی تھی۔ دیکھنے سے وہ کوئی ساٹھ ستر برس کا بوڑھا لگتا تھا۔ اس نے سرخ سویٹر زیب تن کیا ہوا تھا جو سردیوں کے موسم کی علامت تھی۔ چہرے پر چشمہ سجائے وہ روبوٹ کا پیٹ چاک کئے اس میں موجود برقی تاروں سے چھیڑ خانی میں مصروف تھا۔ روبوٹ ایک میز پر رکھا تھا جس کی ایک طرف ایک مشین رکھی تھی جس پر ایک بلب روشن تھا۔ مشین میں سے تاریں نکلتی ہوئی روبوٹ کے مختلف حصوں میں داخل ہو رہی تھیں۔ کمرے کی دیوار پر ایک تختی نصب تھی جس پر ”راجہ روبوٹ شاپ“ نمایاں تھا۔ دکان کا نام اس نے اپنے نام پر رکھا تھا۔ روبوٹ سے چھیڑ خانی میں مصروف عمل راجہ کے چہرے پر کسی وقت تو مسکراہٹ کی باریک سی لہر دوڑ جاتی تو کسی وقت اس کی پیشانی پر شکنیں نمودار ہو جاتیں۔ اس کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔

کافی دنوں سے وہ اس روبوٹ پر کام کر رہا تھا اور اب اسے امید تھی کہ جلد ہی وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گا۔

”راجا آخر تم چاہتے کیا ہو۔۔۔؟ تم سمجھتے کیوں نہیں؟ یاد رکھو جو بڑوں کا کہنا نہیں مانتے وہ ہمیشہ نقصان اٹھاتے ہیں اور مجھے اسی بات کا خدشہ ہے کہ تمہیں کسی بڑے نقصان کا سامنا نہ کرنا پڑ جائے۔“ راجا کے والد حارث نے کہا۔ ”ابا جان آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ آج کا جدید دور ہے اور انسان ترقی کی منازل طے کر کے چاند تسخیر کر چکا ہے لیکن آپ ہیں کہ ابھی وہی پرانی سوچیں۔۔۔ پرانے دور کے پرانے باسی۔۔۔!“ اس نے لاپرواہی سے منہ بناتے ہوئے کہا۔ ”چلو بیٹا جیسے تمہاری مرضی۔۔۔ میرا فرض تھا تمہیں سمجھانا اب میں زبردستی تو کر نہیں سکتا۔ جا جو کرنا ہے کرو لیکن اس کے نقصان کا ذمہ دار تم خود ہو گے اور اس کی سزا بھی تمہیں بھگتنا پڑے گی۔ آخر جو کام تمہارے کرنے کا نہیں تم کرتے ہی کیوں ہو؟“ اس کے والد نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ وہ سمجھتے تھے کہ راجا کو سمجھانا فضول ہے کہ وہ ضدی بہت تھا۔ ادھر راجا نے عجیب سا منہ بنایا اور وہاں سے کھسک گیا۔ اگلا مرحلہ اپنے منصوبے پر عمل کرنے کی تیاری تھی۔ راجا کافی دنوں سے چند ایسی کتابوں کی تلاش میں تھا جن میں دنیا کا عجیب و غریب روبوٹ بنانے کا طریقہ بتایا گیا ہو۔ ایک ایسا روبوٹ جسے بنا کر دنیا میں کچھ انوکھا کر کے دکھا سکے اور دنیا کے تمام سائنسدان اس کے دلدادہ ہو جائیں۔ وہ چاہتا تو کسی سائنسدان کی شاگردی اختیار کر کے یہ سب کچھ سیکھ سکتا تھا لیکن اس کی مغرور سوچ اسے ایسا کرنے سے روکتی۔ وہ سوچتا تھا کہ اس کام کے لیے اسے کسی کے منہ نہ لگنا پڑے اور وہ کامیاب بھی اپنے بل بوتے پر ہو جائے۔ وہ چاہتا تھا کہ بس اسے جلدی سے کوئی ایک ایسی کتاب ہاتھ لگے جو اس کے لیے معاون ثابت ہو سکے۔ لہٰذا وہ چند دنوں سے اسی کی تلاش میں لگا ہوا تھا۔ بالآخر پورے دو ہفتے کی انتھک محنت کے بعد وہ دو ایسی کتابوں کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو ہی گیا تھا اور اب اسے ان کتابوں کے پڑھنے کے بعد امید تھی کہ وہ ضرور کامیاب ہو جائے گا۔ لہٰذا دونوں کتابوں کے خوب مطالعہ کے بعد اب شہر سے باہر ایک ویرانے میں چھوٹی سی کمرہ نما دکان ”راجہ روبوٹ

شاپ'' میں ایک روبوٹ پر جھکا ہوا تھا، جس پر وہ پچھلے تین چار ہفتوں سے سخت محنت کر رہا تھا۔ کتاب میں دی گئی معلومات اس کے لیے بہت فائدہ مند ثابت ہوئی تھیں۔ اس کی اس سرگرمی کے بارے میں کسی کو معلوم نہیں تھا سوائے اس کے باپ کے۔ زیادہ تر وہ رات کے وقت اس روبوٹ پر کام کرتا۔ راجا کی خوشی دیدنی تھی۔ اس کی محنت رنگ لے آئی تھی۔ انتھک محنت کے بعد وہ ایک روبوٹ تیار کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا جو اس کی نظروں میں ایک منفرد روبوٹ تھا اور اس روبوٹ کی وجہ سے وہ سائنس کی دنیا میں ایک منفرد مقام حاصل کر سکتا تھا۔ وہ جلد از جلد اس پر تجربہ کرنا چاہتا تھا۔ ہنستا مسکراتا وہ روبوٹ کی طرف بڑھا۔ اس نے جلدی سے روبوٹ کے پیٹ میں نصب ایک بٹن دبا دیا۔ بٹن کے دبتے ہی ایک عجیب سی آواز سنائی دی۔ راجا کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلتی دکھائی دی۔ پھر فوراً ہی راجا نے اسے حکم دیا کہ وہ میز پر بکھرے سامان کو سمیٹ دے۔ یہ سنتے ہی روبوٹ تیزی سے حرکت میں آیا اور میز کی طرف بڑھا۔ اگلا ہی لمحہ قیامت خیز تھا۔ روبوٹ میز سے سامان اٹھا کر تیزی سے ادھر ادھر دیواروں کی طرف پھینک رہا تھا۔ لمحہ بھر میں افراتفری کا سماں بندھ گیا تھا۔ راجا روبوٹ کی یہ حرکت دیکھ کر گھبرا گیا۔ روبوٹ تیزی سے گھوم رہا تھا اور میز پر بکھرا سامان اچھال اچھال کر پھینک رہا تھا جبکہ راجا خود کو بچا رہا تھا کہ کہیں اسے کچھ لگ نہ جائے۔ ''یہ تو میرے حکم سے الٹ کام کر رہا ہے۔ اب میں اسے روکوں کیسے؟ یہ تو بہت خطرناک ہے۔ اس کے تو نزدیک بھی نہیں جایا جا سکتا۔

'' وہ گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔ اچانک راجا کے ہاتھ تیزی سے حرکت میں آئے اور اس نے ایک آہنی سلاخ اٹھا کے روبوٹ کی طرف اچھال دی۔ لیکن اگلے ہی لمحے روبوٹ نے اس سلاخ کو پکڑا اور واپس راجا کی طرف اچھال کر پھینکا۔ راجہ جھکائی دے گیا جس کی وجہ سے وہ اس سے محفوظ رہا۔

اگر ذرا سی بھی دیر ہو جاتی تو یقیناً اس کا کام تمام ہو سکتا تھا۔

'' رک جا بدبخت۔ مت سمیٹو میرا سامان۔ میں خود ہی سمیٹ لوں گا۔'' راجا غرا کر روبوٹ کے سامنے چیخا۔ اس کے الفاظ سنتے ہی روبوٹ رک گیا۔ یہ دیکھتے ہی راجا کے چہرے پر مسکراہٹ رینگ گئی۔ لیکن یہ مسکراہٹ بھی صرف چند لمحوں کے لیے ہی تھی۔

آن کی آن میں روبوٹ اس کی طرف بڑھا تھا اور اسے اس زور سے جکڑ لیا تھا کہ اس کی آنکھیں باہر کو نکل آئیں۔ اسے مضبوطی سے پکڑے روبوٹ تیزی سے گھومنے لگا۔ ایک تو روبوٹ کی مضبوط گرفت نے اس کی ہڈیوں کا گویا سرمہ بنا دیا تھا، دوسرا تیز تیز چکر اس کی جان لینے کو تھے۔ کمرے میں اس کی چیخیں بلند تھیں۔ اس نے خود کو روبوٹ کی گرفت سے چھڑانا چاہا لیکن بے سود۔

اسے موت یقینی نظر آ رہی تھی۔ روبوٹ کا خوف اس پر غالب آ چکا تھا۔

وہ اب اس لمحے کو کوس رہا تھا جب وہ باپ کی نافرمانی کر کے روبوٹ بنانے کے لیے گھر بار چھوڑ کر نکلا تھا۔ پھر اچانک اسے اپنی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھاتا دکھائی دیا اور اگلے ہی لمحے میں وہ مکمل طور پر بے ہوش ہو چکا تھا۔

وہ تو بے ہوش ہو چکا تھا لیکن روبوٹ مسلسل گھوم رہا تھا۔ یوں لگتا تھا گویا روبوٹ اب اس کی جان لے کر ہی رہے گا۔ اچانک راجا کے جسم میں حرکت ہوئی اور وہ آنکھیں ملتا ہوا اٹھ بیٹھا۔ اس کے چہرے پر حیرت ہی حیرت تھی۔ وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اس نے دیکھا وہ زمین پر پڑا تھا جب کہ دور دور تک سبزہ ہی سبزہ نظر آ رہا تھا۔ پھر اچانک ہی اس کی نظر اپنے والد پر پڑی جو اس کے قریب ہی کھڑے تھے لیکن ان کے ساتھ ایک اور آدمی بھی موجود تھا جو چہرے پر چشمہ جائے اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

'' بنا لیا روبوٹ؟؟؟؟ بن گئے سائنسدان؟؟؟؟ منع کیا تھا لیکن نہیں رکے تھے۔ ارے برخوردار جو انسانوں کے کام ہیں وہ انسان ہی بہتر جانیں۔ ہم جنات بھلا ایسے کام کیسے کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کو مخصوص کام اور مخصوص حد تک صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ وہ اپنی دماغی صلاحیتوں سے جو کام کر سکتا ہے وہ ہم جنات نہیں کر سکتے۔ یہی بات میں نے تمہیں کئی بار سمجھائی لیکن تم ہو کے سمجھتے ہی نہیں۔ انہی سائنسدانوں سے تم خود کو ممتاز کرنا چاہتے تھے لیکن اب شکر ادا کرو کہ انہی سائنسدان کی وجہ سے تم بچ گئے۔

یہ تو شکر کرو کہ مجھ تک تمہاری آواز پہنچ گئی اور میں جلدی سے یہاں پہنچ گیا ورنہ اس حالت میں تمہارے لئے انسانی شکل سے اپنی اصل شکل میں آنا بہت مشکل تھا اور پھر تمہاری موت واقع ہو جاتی۔ یہ تو بروقت ہمارے محسن سائنسدان مل گئے اور انہوں نے روبوٹ کو کنٹرول کیا جس کی وجہ سے تم بچ گئے، ورنہ تمہاری موت تو یقینی تھی۔'' اس کے ابا نے اسے اچھی خاصی جھاڑ پلا دی تھی۔

'' لیکن ایک اور بات بھی ہے جب انسان کسی استاد کی شاگردی اختیار کئے بغیر کوئی مقام حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ ہمیشہ نقصان میں رہتا ہے۔ اس نے صرف کتابوں کو پڑھا۔ کسی سے کوئی مدد نہ لی جس کی وجہ سے روبوٹ میں نصب تاریں الٹی سیدھی لگا دیں، جس کی وجہ سے یہ جو حکم روبوٹ کو دیتا وہ اس سے الٹ کام کرتا۔

'' اب کی بار وہ سائنسدان جس نے اس سے بچایا تھا بولا۔ ادھر راجا کا چہرہ شرمندگی سے جھکا ہوا تھا۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ جس کا کام اسی کو ساجھے۔ اسے انسان کی عظمت سمجھ میں آ چکی تھی۔

بھاگتے چور کی لنگوٹی ہی سہی

مہوش اسد شیخ

مسلسل کھٹ پٹ کی آواز سے ٹیپو کی آنکھ کھل گئی۔ آواز لانچ سے آرہی تھی۔ رات کے اس پہر کون ہوسکتا ہے؟ ٹیپو بستر میں دبکا سوچ کے گھوڑے دوڑانے لگا۔ ''چور۔۔۔'' یہ خیال آتے ہی اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ''یہی موقع ہے ٹیپو میاں اپنی ذات پر سے بزدل کا لیبل ہٹانے اور اپنی بہادری کی دھاک بٹھانے کا۔ ایسا سنہری موقع پھر آئے نہ آئے۔'' اندر سے آتی آواز نے اسے للکارا۔ اس خیال کے تحت وہ بنا کوئی آواز پیدا کئے بستر سے نکل کر بیڈ کے نیچے جا دبکا اور اگلے قدم کے متعلق غوروفکر کرنے لگا۔

اچانک اس کی نگاہ بیڈ کے نیچے گرے ہوئے بھوت ماسک پہ پڑی۔ اس کی آنکھیں چمک اٹھیں کیونکہ بہت زبردست خیال اس کے دماغ میں کوندا تھا۔ اس نے ماسک اپنے چہرے پہ چڑھا لیا اور بیڈ کے نیچے سے نکل کر دروازے کے پیچھے جا چھپا۔ اتفاقاً اس نے شلوار قمیض بھی کالے رنگ کی پہن رکھی تھی اور رات کے اندھیرے میں وہ کسی بھوت سے کم دکھائی نہ دے رہا تھا۔

چور ابھی تک لانچ کی قیمتی اشیا سمیٹ رہا تھا اور ٹیپو خود میں اس کا سامنا کرنے کی ہمت مجتمع کر رہا تھا۔ اسے چور کے قدموں کی چاپ قریب آتی محسوس ہوئی تو وہ جھٹکے سے دروازے کے پیچھے سے نکل کر سامنے آ کھڑا ہوا۔ چور جو کہ اسی کمرے کی طرف آ رہا تھا، یکدم بھوت کو سامنے پایا تو اپنا بورا جس میں چیزیں چرا کر ڈال رہا تھا وہیں پھینکا اور دم دبا کر بھاگ کھڑا ہوا۔

ٹیپو منہ سے خوفناک آوازیں نکالتا ہوا اس کے پیچھے لپکا۔ چور بھاگ کر بیرونی دیوار پہ چڑھا اور باہر کودنے لگا۔ ٹیپو نے چور کو ہاتھ سے جاتے دیکھا تو اچھل کر اسے پکڑنا چاہا مگر یہ کیا۔۔۔۔ چور تو باہر کی جانب کود گیا مگر ٹیپو کے ہاتھ اس کی لنگوٹی آ گئی۔ سارے گھر کی روشنیاں جل اٹھیں گویا شور کی آواز پہ سب گھر والے جاگ چکے تھے۔

ٹیپو واپس اندر آیا تو سب اسے سوالیہ نگاہوں سے گھور رہے تھے، اس نے ماسک اتار دیا۔ ''چور آ گیا تھا۔۔۔'' ٹیپو نے فاخرانہ لہجے میں بتایا۔ ''چور۔۔۔؟'' سب نے ایک ساتھ بے یقینی سے کہا۔ ''جی۔۔۔ چور۔۔۔ یہ دیکھیں چیزیں چرا رہا تھا۔ ٹیپو نے سب کو یقین دلانے کے لیے سامنے فرش پہ پڑے بورے کی طرف اشارہ کیا۔

چور کو پکڑا کیوں نہیں۔ میرے بہادر بچے۔'' ابا جی نے آگے بڑھ کر اس کا کندھا تھپتھپایا۔ ان کے لہجے میں ٹیپو کے لیے ستائش تھی۔'' پکڑنے کی بہت کوشش کی مگر وہ بھاگ نکلا ہاں یہ لنگوٹی میرے ہاتھ آئی ہے۔'' ٹیپو نے لنگوٹی سب کے سامنے لہرا دی۔ ''بھاگتے چور کی لنگوٹی ہی سہی۔'' چھوٹے انس نے شرارتاً لہک کر کہا تو سب کا مشترکہ قہقہہ فضا میں گونج اٹھا۔ اس خیال کے تحت سب ہی ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہے تھے کہ جانے چور بنا لنگوٹی کے اپنے گھر کیسے پہنچا ہوگا۔

☆☆☆

اقوال زریں

☆ محنت اتنی خاموشی سے کرو کہ تمہاری کامیابی شور مچائے۔ (دانیال سلیم خان، میدان دیر لوئر)

☆ خوف خدا تمام نیکیوں کی جڑ ہے۔

(سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ)

مرسلہ: حسین احمد قریشی، لکی بنوں

لاکٹ

راج محمد آفریدی

ایک سوداگر کی بیٹی جس کا نام خدیجہ تھا، اپنی خوب صورتی، خوب سیرتی اور نیک نامی کے باعث شہر بھر میں مشہور تھی۔ وہ صوم صلوا کی پابند اور انتہائی پاک باز تھی۔ ہمیشہ دوسروں کی مدد کرتی۔ کسی کا حق نہ کھاتی۔ ان خوبیوں کی وجہ سے وہ گھر میں ہر کسی کی چہیتی تھی۔

سوداگر دیگر بچوں کی نسبت خدیجہ سے زیادہ پیار کرتا۔ وہ جب بھی تجارتی دورے سے لوٹتا، خدیجہ کے لیے بیش بہا تحائف لاتا۔ وہ انہی تحائف کو ضرورت مندوں میں تقسیم کرتی۔ سوداگر نے اسے کبھی بھی ایسا کرنے سے منع نہیں کیا بلکہ اسے دلی خوشی ملتی جب وہ اپنی بیٹی کے اس جذبے کو دیکھتا۔

قریبی شہر میں عمار نامی شخص اپنی بیٹی عائشہ سے بے حد محبت کرتا تھا۔ عائشہ کئی مہینوں سے بیمار تھی اور شہر کے ایک معروف شفا خانے میں داخل تھی۔ عمار نے اس پر اپنی ساری جمع پونجی خرچ کی۔ اب اس کے پاس اپنی مرحومہ بیگم کا ایک قیمتی لاکٹ رہ گیا تھا۔ عمار نے بیٹی کے علاج کے لیے اسے بھی فروخت کرنے کا ارادہ کیا۔

ایک دفعہ سوداگر قریبی شہر کے تجارتی دورے سے واپسی کی تیاریوں میں تھا۔ وہ اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کے لیے تحفے لینے بازار گیا۔ وہاں اسے عمار نظر آیا۔ اس کے ہاتھ میں وہی قیمتی لاکٹ تھا۔ سوداگر نے لاکٹ دیکھتے ہی اسے خریدنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے سلام کے بعد عمار سے لاکٹ کی قیمت دریافت کی۔ اس نے پانسو دینار قیمت بتائی۔

سوداگر نے لاکٹ ہاتھ میں لے کر جانچ پڑتال شروع کی۔ وہ لاکٹ کسی بھی حوالے سے دو ہزار دینار سے کم قیمت نہ تھا مگر عمار کو شاید اس کی اہمیت کا اندازہ نہیں تھا۔ سوداگر کو حیرانی ہوئی کہ یہ بندہ اس قیمتی لاکٹ کو اتنا سستا کیوں فروخت کر رہا ہے۔ پھر اس نے سوچا شاید اسے لاکٹ کی قیمت کا اندازہ نہیں۔ اس نے عمار سے کہا۔

"بھائی ! میں تو اس لاکٹ کے چار سو دینار ہی دوں گا۔ سودا منظور ہو تو بولو۔ عمار نے فوراً رضامندی ظاہر کی۔ اس نے سوداگر کے ہاتھ سے چار سو دینار لیے اور بھاگتے ہوئے وہاں سے چلتا بنا۔ سوداگر یہ منظر دیکھ کر متعجب ہوا۔ اس نے سوچا۔ یا تو یہ بندہ چور تھا جو اتنی عجلت میں سودا کر کے بھاگ گیا اور یا انتہائی ضرورت مند۔ پھر خود سے کہا۔ "مجھے کیا جو بھی ہو، اب یہ لاکٹ تو میرا ہوا نا۔" سوداگر گھر پہنچا تو سب میں تحائف بانٹتے ہوئے اس نے وہ لاکٹ خدیجہ کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا۔ "میری پیاری بیٹی ! تمہاری ایک خوب صورت عادت کا مجھے اندازہ ہے کہ تم دوستوں اور رشتہ داروں میں تحفے تقسیم کرتی رہتی ہو مگر یہ لاکٹ میں خاص تمہارے لیے لایا ہوں۔ اسے کسی کو نہ دینا۔ خود ہی اسے پہنتی رہنا۔

'' خدیجہ نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے والد سے لاکٹ لے کر اسی وقت پہن لیا۔ چند روز بعد خدیجہ کی طبیعت خراب ہوئی۔ حکیموں نے اس کا علاج کیا مگر اسے شفا نہ ملی۔ اس کی طبیعت روز بروز بگڑتی رہی۔ سوداگر کو پریشانی ہوئی کیونکہ کسی حکیم کو اس کی بیماری کی تشخیص معلوم نہ تھی۔ ایک بار ایک حکیم کے مشورے سے خدیجہ کو غسل کرایا گیا۔ خدیجہ نے لاکٹ اتار کر ایک طرف رکھ دیا۔ غسل کے بعد اس نے لاکٹ نہیں پہنا۔ اس کی طبیعت میں بہتری نظر آئی۔

سوداگر نے اس حکیم کو انعام و اکرام کے ساتھ رخصت کیا۔ دو تین دن بعد خدیجہ مکمل صحت یاب ہوگئی۔ ایک دن سوداگر نے اس سے لاکٹ کے بابت پوچھا تو اس نے کہا۔ "وہ تو میں الماری میں رکھ کر بھول ہی گئی تھی۔ ابھی جا کر پہنتی ہوں۔" خدیجہ نے جا کر لاکٹ دوبارہ پہنا۔ شام تک اسے دوبارہ سر درد شروع ہوا۔ اسے اندازہ ہوا کہ یہ سارا اثر لاکٹ کا ہے۔ اس نے فوراً لاکٹ اتارا تو سر درد بھی ٹھیک ہوا۔ اس نے لاکٹ ہاتھ میں لیے والد سے پوچھا۔

"ابا جان ! یہ لاکٹ آپ نے کہاں سے خریدا ہے؟ یہی میری بیماری کا سبب ہے۔" سوداگر نے اسے پوری بات بتائی۔ اس نے عمار کی عجلت اور کم قیمت میں سودا طے کرنے والی بات بھی بتائی۔ خدیجہ کو اندازہ ہوا کہ وہ بندہ چور نہیں بلکہ ضرورت مند تھا۔ اس نے لاکٹ کو کسی ضروری کام کے لیے کم قیمت میں بیچا تھا۔ اس نے والد سے کہا۔ "ابا جان ! آپ میری خاطر قریبی شہر جا کر اس شخص کا پتا کریں۔ یقیناً اس لاکٹ میں کوئی راز چھپا ہے۔

"سوداگر نے اگلے ہی روز اسی شہر جا کر عمار کی تلاش شروع کی۔ وہ اسے کہیں نہ ملا۔ البتہ ناک نقشہ بتانے پر ایک شخص نے سوداگر سے کہا۔ "عمار یہاں کا نیک نام اور بااصول شخص تھا۔ جب سے اس کی بیماری بیٹی کا انتقال ہوا ہے۔ وہ اس شہر میں کسی کو نظر نہیں آیا۔

سوداگر نے پھر بھی کوشش کی مگر وہ ناکام واپس لوٹ آیا۔ خدیجہ کو علم ہوا تو اسے بہت دکھ ہوا۔ اس نے سوچا کہ عمار نے اس لاکٹ کو بیٹی کے علاج کے لیے فروخت کیا تھا اور ابا جان نے جانتے ہوئے بھی کہ وہ ایک قیمتی لاکٹ تھا، اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کم قیمت میں خرید لیا۔ اس لیے اسے پہنتے ہوئے میری طبیعت ناساز ہو جاتی ہے۔ یہ بات اس نے سوداگر کو بتائی۔ اس وجہ سے دونوں کو ضمیر ملامت کرنے لگا۔

ایک دن خدیجہ نے والد کی اجازت سے اپنے شہر میں غریبوں کے مفت علاج کے لیے "دختر عمار" نامی شفا خانے کی بنیاد رکھی۔ اس نے وہ لاکٹ بیچ کر اس کی رقم مذکورہ شفا خانے پر خرچ کی۔ اس کے بعد سوداگر اور اس کی بیٹی کا ضمیر مطمئن ہوا۔

WORLD
ENVIRONMENT
DAY
WORLD
ENVIRONMENT

Monthly Shaheen -e- Iqbal Digest Peshawar Regd No P-291